دولت کا زہر
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۳۶

دولت کا زہر

اشتیاق احمد

بار اول : یکم اگست ۱۹۸۶ء

طابع : اشتیاق احمد

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

خوشنویس : سعید نامدار

سرورق : محمد جاوید چغتائی لاہور

طباعت سرورق : [illegible] پرنٹرز لاہور

قیمت : چھ روپے

اشتیاق پبلیکیشنز انہوت کیٹ کرے والی دوبارا لاہور

حدیث شریف :

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب تم میں سے وہ ہوں گے جو اخلاق میں بہتر ہیں اور مجھ سے زیادہ دور اور زیادہ ناپسندیدہ وہ ہوں گے جو تم میں سے اخلاق میں برے ہیں جن کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے جو منہ پھلا پھلا کر باتیں کرتے ہیں، متکبر ہیں۔ (صحیح مسلم)

ناول پڑھنے سے پہلے ؛
یہ دیکھ لیں کہ

- ○ یہ وقت نماز کا تو نہیں؟
- ○ آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟
- ○ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- ○ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا؟

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں پھر ناول پڑھیں۔

مخلص،
اشتیاق [illegible]

دو باتیں

سسپنس — یعنی تجسس تو ہر ناول میں ہوتا ہے — اس کے بغیر تو میں ناول لکھ ہی نہیں سکتا — لیکن اس کی مقدار کہیں کم اور کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات آپ اس کی لپیٹ میں اس حد تک آجاتے ہیں کہ پیچھا چھڑائے نہیں چھوٹتا۔ اور کبھی کبھی ایک ہلکے سے تجسس کی لپیٹ میں آتے ہیں جسے ایک ہلکے سے جھٹکے سے اپنے سے الگ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں — اس بار ذرا حالات مختلف رہیں گی — آپ سسپنس کے گھیرے میں کچھ اس طرح جکڑے جائیں گے کہ کسی طرح بھی نہیں نکل سکیں گے۔ یہاں تک کہ ناول ختم ہونے پر بھی یہ گھیرا نہ ٹوٹے گا اور آپ سر اٹھا کر تجسس کی لہروں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے نظر آئیں گے، لیکن اس وقت تو یہ غائب ہو چکی ہوں گی — مطلب یہ ہوا کہ میرے ناولوں اور تجسس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نہ صرف ان کا، بلکہ آپ کا بھی — اور چولی دامن کے اس ساتھ سے آپ پیچھا بھی کس طرح چھڑا سکتے ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آرام اور اطمینان سے اسے گلے کا ہار بنا لیا کیجیے۔ ادھر ناول ختم ہوا ادھر گلے کا یہ ہار نکلا — ارے ارے، یہ کیجیے، یہ ہار آپ کے گلے کی طرف آرہا ہے —

چیخوں کا بازار

"حاضرین! آپ جانتے ہی ہیں — یہ پارٹی دولت مندی کی چھٹی پارٹی ہے، مجھے دولت مند بنے آج پورے چھ ماہ ہو گئے — ہر ماہ اسی تاریخ کو میں پانچ مرتبہ پہلے بھی دعوت دے چکا ہوں — آج بھی پارٹی معمول کے مطابق رات گئے تک جاری رہے گی — خوب کھائیں، خوب پئیں — اور میری دولت میں بے پناہ اضافے کی دعا کریں، تاکہ زندگی میں ہر ماہ آپ لوگوں کو اسی قسم کی دعوتیں دیتا رہوں — واضح رہے کہ میں نے اس بار بھی اپنے مرحوم مہربان کو نہیں بھلایا اور ان کے بیوی اور بچوں کو اس پارٹی میں شرکت کی دعوت دی ہے، آپ سب لوگ جانتے ہی ہیں کہ یہ دولت کس قدر عجیب طریقے سے میرے ہاتھ لگی ہے — میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ اتنی دولت اچانک اور بیٹھے بٹھائے مل جائے گی — اب میں اس شہر کے بڑے دولت مندوں میں

سے ایک ہوں ـ آپ سب کا شکریہ کہ تشریف لائے ـ خاص
بات یہ کہ اس مرتبہ ملک کے مشہور و معروف سراغرساں
انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچے بھی موجود ہیں ـ انہیں
میں نے ہر ماہ دعوت دی ، لیکن مصروفیات کی وجہ سے نہیں
آسکے ، آج بھی نہ جانے کس طرح فرصت نکال سکے ـ اب
کھانے پینے کا پروگرام شروع ـ"

ان الفاظ کے ساتھ ہی تمام مہمانوں نے پُرزور انداز میں
تالیاں بجائیں ـ یہ الفاظ ماجد تارا نے کہے تھے ـ اس کے الفاظ
نے آفتاب ، آصف اور فرحت کو حیرت زدہ کر دیا :

"یہ ـ یہ کیا چکر ہے انکل ؟" آصف بے چین ہو گیا ـ

"ارے باپ رے ـ خدا کے لیے یہاں چکر کا لفظ استعمال
نہ کرو ـ کہیں سچ مچ کوئی چکر نہ چل جائے ـ" آفتاب کے ہاتھ
سے چمچ چھوٹ گیا ـ فرحت بھی بے تابانہ انداز میں انسپکٹر کامران
مرزا کی طرف دیکھ رہی تھی ـ

"آؤ ـ ہم اپنی پلیٹیں اٹھا کر باغ کے کسی گوشے میں چلے
جائیں ، وہیں میں تمہیں کچھ بتا سکتا ہوں ـ"

"تو یہیں بتانے میں کیا حرج ہے ـ" فرحت بولی ـ

"دوسرے مہمان پریشان ہوں گے ـ"

وہ ایک الگ کونے میں آ بیٹھے :

"سیٹھ ماجد تارا کی کہانی بہت ہی عجیب ہے ـ اس قدر
کہ میں خود حیران ہوں ـ چھ ماہ پہلے ان کے پاس کوئی
دولت اور جائیداد نہیں تھی ـ بس ایک چھوٹا سا مکان تھا ـ
یہ ملازمت کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے ـ
کہ اچانک سیٹھ عالم کبیر مرتے وقت اپنی تمام دولت اور
جائیداد ماجد تارا کے نام کر گئے ، انہوں نے اپنے بیوی بچوں
کو ہر چیز سے محروم کر دیا ـ بس ایک چھوٹا سا مکان ان
کے لیے چھوڑا اور چند ہزار روپے ـ لوگوں میں عام طور
پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اس صدی کی سب سے زیادہ
حیرت انگیز وصیت تھی ـ کوئی اس وصیت کی وجہ نہ جان
سکا ، سب کے منہ مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ
گئے ـ خود عالم کبیر کے گھر والوں پر حیرت اور غم کا پہاڑ
ٹوٹ پڑا ـ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کا باپ
اور شوہر انہیں ہر چیز سے محروم کر جائے گا ـ اور اپنا سب
کچھ ایک ایسے شخص کو دے جائے گا ـ جس کا ان سے کوئی
تعلق نہیں ـ یہ وصیت آج تک ایک معمہ ہے ـ کوئی اس معمے
کو حل نہیں کر سکا ـ" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے ـ

"واقعی ـ انتہائی حیرت انگیز بات ہے ـ لیکن ابا جان ـ
ان سب باتوں سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ نے

اس دعوت میں شرکت کیوں کی۔ جب کہ سیٹھ ماجد تارا پہلے بھی آپ کو دعوت دیتے رہے ہیں۔ اور آپ نہیں آئے، پھر اس بار آنا کیوں منظور کیا۔ کیا ماجد تارا سے آپ کی پہلے سے واقفیت ہے۔"

"نہیں۔ میری ان سے آج پہلی بار مُلاقات ہوئی — اس وصیت کا حال میں اخبارات میں پڑھتا رہا تھا۔ تم لوگوں نے شاید ان خبروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی — میں نے اس سے پہلے بھی یہاں آنے کی کوشش کی، لیکن مصروفیات نے آنے نہ دیا۔ آج اتفاق سے ہم فارغ تھے، سوچا شرکت کر لی جائے، شاید اس وصیت کے بارے میں کوئی سراغ مل جائے۔ کچھ اندازہ ہو جائے، کیونکہ کبھی کبھی میں بھی اُلجھن محسوس کرتا ہوں۔ ذرا سوچو۔ ایک شخص لاکھوں کا مالک ہو اور اپنے لاکھوں روپے اپنی اولاد کی بجائے ایک بالکل غیر متعلق شخص کو دے جائے۔ یہ کس قدر عجیب ہے، حیرت انگیز ہے۔ سنسنی خیز ہے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا —

"واقعی اس کی سنسنی خیزی میں کیا شک۔ ہم تو خود لپیٹ میں آ گئے ہیں، لیکن سوال تو یہ ہے کہ وصیت کا راز معلوم کس طرح ہو۔"

"پارٹی ختم ہونے کے بعد میں کوئی تدبیر کروں گا — اور انشاءاللہ آج ہم یہ راز جان کر رہیں گے۔"

عین اسی وقت ان کے کانوں میں ایک چیخ کی آواز لہرائی، وہ بوکھلا اُٹھے —

○

چیخ کوٹھی کے اندرونی حصے سے آئی تھی، جب کہ تمام مہمان باغ میں تھے۔ لہذا سب کے سب کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف دوڑ پڑے — وہ بھی اپنی پلیٹوں کو بھول کر ادھر بھاگے، اتنے میں بیسیوں چیخیں گونج اُٹھیں —

"یا اللہ رحم — ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں چیخوں کا بازار گرم ہو گیا ہے۔" آفتاب کانپ کر بولا۔

وہ لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے ایک کمرے میں داخل ہوئے اور اندر کا منظر دیکھ کر دھک سے رہ گئے، آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں — ایک لاش اُن کے سامنے پڑی تھی — وہ جو کوئی بھی تھا، اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے پورے جسم پر ایک کمبل پڑا تھا اور کمر میں خنجر دستے تک دھنسا تھا — گویا پہلے اس کے اوپر کمبل ڈالا گیا اور

پھر خنجر مڑا گیا۔ خنجر کیبل کو کاٹتا کر یں [illegible] دھنس گیا۔

" یہ۔ یہ۔ کون ہے۔۔" ایک ہکلاتی آواز ان کے کانوں
سے ٹکرائی۔ انہوں نے دیکھا، وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔
اس کی آنکھوں میں بھینگاپن تھا۔ چہرے پر گھبراہٹ اور
لرزش کے آثار تھے۔ اور سر پر ترکی ٹوپی تھی۔

" شاید یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں۔ کہ یہ کون ہے،
ہاں قاتل کو ضرور معلوم ہے۔ ہمیں سب سے پہلے قاتل
کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ قاتل یہاں موجود عام لوگوں میں
سے ہی کوئی ایک ہے۔ اگر ہم لاش کی طرف توجہ
دیتے رہے تو وہ نکل جائے گا۔ آفتاب، آصف اور فرحت،
تم باہر نکلنے کے راستوں پر پہنچ جاؤ۔ کوئی شخص باہر نہ
جانے پائے۔ تمام مہمانوں سے درخواست ہے کہ اس
کمرے سے باہر رہیں۔ اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کریں
کیونکہ اس طرح کوئی ضروری شہادت ضائع ہو سکتی ہے۔"

لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔ آفتاب، آصف اور فرحت
پہلے ہی بیرونی دروازوں کی طرف جا چکے تھے۔

" میرا خیال ہے، دروازوں کی نگرانی کی کوئی ضرورت نہیں،
قاتل اگر فرار ہونا چاہتا تھا تو کب کا فرار ہو بھی چکا ہو گا اور
اگر اس نے اس وقت یہ کوشش نہیں کی تو اب کیا کرے گا۔"

آصف نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

" ابا جان کو بھی اس بات کا احساس ہو گا، لیکن اس
کے باوجود انہوں نے ہمیں دروازوں پر بھیج دیا، اس کا
مطلب ہے، اس کی کوئی اہمیت ضرور ہو گی۔" آفتاب
بولا۔

" سوال یہ ہے کہ مرنے والا ہے کون؟" فرحت بڑبڑائی۔

" کمبل ہٹا کر دیکھنے سے ہی معلوم ہو سکے گا۔ اور یہ کام
انکل کریں گے۔ ہم تو دروازوں پر کھڑے ترسیں گے۔" آصف
نے منہ بنایا۔

" مرے کیوں جا رہے ہو، تم بھی دیکھ لینا قاتل کا چہرہ۔"
آفتاب ہنستا کر بولا۔

صحن میں آ کر ان کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ کوٹھی
میں چہل قدمی کرنے کے دوران وہ باہر نکلنے کے راستے دیکھ
چکے تھے۔ جلد ہی کوٹھی میں رونے اور چیخنے چلانے کی
آوازیں سنائی دیں۔ وہ اور بھی بے چین ہو گئے۔ آخر
خدا خدا کر کے پولیس کی صورت دکھائی دی اور وہ دروازوں پر
سے ہٹ کر اندر کی طرف دوڑ پڑے۔

کمبل اس وقت تک اٹھا دیا گیا تھا۔ دروازے کے
قریب گھر کے افراد کھڑے زار و قطار آنسو بہا رہے تھے۔

انہوں نے دیکھا مقتول ماجد تارا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ خوش وخرم اور زندہ سلامت مہمانوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا اور انہیں کھانے اور پینے کی دعوت دے رہا تھا۔ اب مُردہ پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

دروازے کے ساتھ لگ کر رونے والوں میں ماجد تارا کی بیوی۔ اس کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ لڑکے اور لڑکیاں جوان تھے اور بیوی ادھیڑ عمر۔

"ہائے۔ آخر۔ انہوں نے انتقام لے ہی لیا" ماجد تارا کی بیوی بڑبڑائی۔

"انتقام لے لیا۔ کس نے انتقام لے لیا؟" فرحت بولی۔

"عالم کبیر کے بیوی اور بچوں نے۔" اس نے کہا اور پھر رونے لگی۔

"اگر یہ کام ان میں سے کسی کا ہے تو وُہ بچ نہیں سکے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

آفتاب، آصف اور فرحت اس وقت تک لاش کا جائزہ لینے میں مصروف ہو چکے تھے۔ لاش اب بھی اُسی طرح پڑی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ اس پر سے کمبل اٹھا لیا گیا تھا اور ایسا کرنے کے لیے پہلے خنجر کمر سے نکالا گیا۔ کمبل ہٹانے کے بعد خنجر پھر وہیں لگا دیا گیا تاکہ اس پہلو سے تصاویر لی جا سکیں۔ کمرے کے فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔ لاش اب سرد پڑ چکی تھی۔

"انکل! خنجر پر اُنگلیوں کے نشانات ملے؟"

"نہیں۔ کسی چیز پر اُنگلیوں کے نشانات نہیں ہیں۔ فرش پر جوتوں کے نشانات ضرور موجود ہیں۔ ان میں خود مقتول کے، ان کے بیٹے حامد تارا، ارشد تارا، ان کی بہنوں اور ماں کے قدموں کے نشانات موجود ہیں، باقی مہمانوں کے بھی نشانات موجود ہیں، کیونکہ سبھی لوگ اندر داخل ہو گئے تھے۔ لہٰذا ان نشانات سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ لے دے کے ہمارے پاس بس ایک خنجر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ خنجر کس کا ہے۔ آؤ۔ اب ہم تفتیش شروع کریں۔"

وہ باہر نکلے اور سیدھے گھر کے افراد کے پاس آئے۔ وہ ایک الگ کمرے میں بیٹھے تھے۔ باقی تمام مہمانوں کو باغ میں جمع کر کے ان کے نام اور پتے نوٹ کیے جا رہے تھے۔

"آپ لوگ اس خنجر کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم نے اس خنجر کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمارے گھر میں کبھی کوئی خنجر نہیں رہا۔" حامد تارا نے غمگین آواز میں کہا۔

"کیا آپ کے والد سے کسی کی کوئی دشمنی تھی؟"

"عالم کبیر کے گھرانے کے علاوہ بھلا کسے دشمنی ہو سکتی ہے؟"

ارشد تارا نے فوراً کہا۔

"لیکن۔ آپ کے والد کو قتل کر کے وہ اپنے باپ کی دولت پھر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس طرح تو اس دولت کے مالک آپ بن گئے ہیں۔" آصف نے اعتراض کیا۔

"انہوں نے دولت واپس حاصل کرنے کے لیے نہیں غصے میں آ کر قتل کیا ہے۔" ماجد تارا کی بیوی نے جواب دیا۔

"کیا آپ لوگ بتا سکتے ہیں کہ عالم کبیر نے اپنی دولت اور جائداد آپ کے والد کے نام کیوں کر دی تھی؟"

"جی نہیں۔ اس بات پر تو ہمارے والد بھی حیران تھے۔ لیکن اس سوال کا جواب ہم کہاں سے حاصل کر سکتے تھے۔ جب کہ وصیت کرنے والا وصیت کرنے کے فوراً بعد مر گیا تھا۔" حامد تارا نے کہا۔

"آپ کے والد نے کبھی اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا؟"

"نہیں۔ وہ چھ ماہ تک اس پر مسلسل حیران رہے۔"

"گویا آپ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ اچھا خیر ہم مقتول کی چیزوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ جس کمرے میں قتل ہوا۔

کیا وہ کمرہ انھی کا تھا؟"

"نہیں۔ وہ کمرہ میرا تھا۔ ان کا کمرہ دوسرا ہے۔" حامد تارا نے کہا۔

"چلیے ہمیں اس کمرے تک لے چلیے۔"

"حیرت اس بات پر ہے کہ وہ مہمانوں کو چھوڑ کر ادھر کیوں آئے تھے؟" آصف بڑبڑایا۔

"کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ سب لوگ باہر کھانے پینے میں مصروف تھے۔ ان کے وہاں سے نکل کر کوٹھی کے اندرونی حصے میں آنے کا تو کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔" ارشد تارا بولا۔

وُہ ان کے ساتھ چلتے ایک نزدیکی کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ اس میں ایک لوہے کی تجوری اور دیواروں میں نصب شدہ دو الماریاں تھیں۔ اُن میں تالے لگے ہوئے تھے:

"ہم اِن الماریوں اور تجوری کو کھول کر دیکھنا پسند کریں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اُسی وقت شاہد انعد داخل ہوا:

"سر! سب لوگوں کے نام اور پتے نوٹ کر لیے گئے ہیں، سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے بے چین ہیں،

انہیں جانے دیا جائے۔" کیا خیال ہے۔

"ایسے نہیں۔ پہلے سب سے سرسری طور پر پوچھ گچھ کی جائے، اس کے بعد جانے کی اجازت دی جائے، لیکن عالم کبیر کے گھرانے کو روک لیا جائے۔ ان سے میں خود پوچھ تاچھ کروں گا۔ باقی لوگوں کو بھی ہدایت کی جائے کہ وہ لوگ شہر چھوڑ کر نہ جائیں۔"

"جی بہتر۔" شاہد نے کہا اور باہر نکل گیا۔ انسپکٹر کامران مرزا پھر ان کی طرف مڑے:

"ہاں تو۔ کہاں ہیں ان کی چابیاں۔"

"چابیاں وہ جیب میں ہی رکھا کرتے تھے، لیکن اُن کے کپڑوں کی تلاشی لینے پر چابیاں نہیں ملیں۔ اس کا مطلب ہے۔ قاتل نکال لے گیا ہوگا۔" حامد تارا نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن بھلا۔ اسے چابیاں لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ چابیاں اس کے کس کام کی۔ خیر۔ ہم تجوری اور الماریوں کے تالے کھول ہی لیں گے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔ اس سوال کا جواب تو قاتل ہی دے سکتا ہے۔" حامد تارا نے غمگین آواز میں کہا۔

"خیر۔ ابھی انہیں کھلوانے کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ آصف، انکل شاہد سے جا کر کہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

جلد ہی تالے کھولنے کا ایک ماہر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے اوزاروں کی مدد سے تینوں تالے کھول ڈالے۔ جونہی تجوری کا دروازہ کھولا گیا۔ ان کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی۔ اندر نہ صرف نوٹوں کی گڈیاں بھری پڑی تھیں بلکہ سونے اور ہیرے کے زیورات بھی جگ مگا رہے تھے۔

"اف خدا۔ کیا یہ سب دولت بھی عالم کبیر کی وصیت کے مطابق ہاتھ آئی ہے۔" فرحت کانپ کر بولی۔

"جی۔ جی ہاں۔ بے شمار دولت ملی تھی ابا جان کو۔" ماجد تارا کی بڑی بیٹی بولی۔

"اوہ آپ دونوں کے نام کیا ہیں؟"

"میں نورین تارا ہوں اور یہ فوزیہ تارا۔" اس نے تعارف کرایا۔

اس وقت ماجد تارا کا ملازم احمد داخل ہوا:

"بیگم صاحبہ۔ وکیل صاحب آئے ہیں۔"

"وکیل صاحب۔ کون سے وکیل صاحب۔" وہ حیران ہو کر بولیں۔

"جی۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ کون سے وکیل صاحب۔ انہوں نے یہی بتایا ہے کہ میں وکیل ہوں اور آپ لوگوں سے

ملنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں اندر لے آؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔ ملازم چلا گیا۔ جلد ہی انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔

ٹوپی یا ہیٹ

ایک لمبے قد کا نیلی آنکھوں والا آدمی اندر داخل ہوا۔ سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے کہا:

"میرا نام اختر ندیم ہے۔ اس شہر کا وکیل ہوں۔ ریڈیو پر ابھی ابھی سیٹھ ماجد امداد کے قتل کی خبر سنی تو یہاں آنے پر مجبور ہو گیا۔"

"مجبور ہو گئے۔ کیوں مجبور ہو گئے۔ کس نے مجبور کیا آپ کو؟" آفتاب نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چھ ماہ پہلے مجھے ایک خط ملا تھا۔ خط کے ساتھ ایک سیل کیا ہوا لفافہ بھی تھا۔ اور پانچ ہزار روپے کے نوٹ بھی۔ اس خط میں میرے لیے یہ ہدایت درج کی گئی تھی کہ جب بھی میں ماجد امداد کی موت، ان کے قتل، خودکشی یا حادثے میں ہلاک ہونے کی کوئی خبر سنوں۔ فوراً سیل شدہ لفافہ ان کے بیوی اور بچوں تک پہنچا دوں اور اس مختصر سے کام کا معاوضہ پانچ

ہزار روپے دیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے
کہ ان کی موت کی خبر سے پہلے لفافہ ہرگز انہیں نہ دیا جائے
اور نہ لفافے کا ذکر کسی دوسرے سے کیا جائے! چنانچہ میں حاضر
ہوں اور لفافہ ساتھ لے آیا ہوں۔"

"حیرت ہے۔ خیر لائیے۔ لفافہ مجھے دیجیے۔" ماجد تارا کی
بیوی نے کہا۔

وکیل نے سیل شدہ لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"وکیل صاحب۔ کیا اس شخص نے اپنا نام نہیں لکھا تھا؟"
آفتاب بے چین ہو کر بولا۔

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس لفافے میں جو کچھ پیغام ہے۔ اس کے نیچے ضرور
اس کا نام درج ہوگا۔" آصف بڑبڑایا۔

"یہ ضروری نہیں۔" فرحت نے کہا۔

ادھر بیگم ماجد تارا سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔

"آپ۔ کیا سوچ رہی ہیں امی۔ اس لفافے کو کھول کر دیکھیں
نا۔" نورین تارا نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں۔ میں کیا کروں۔ کیا سب لوگوں کے سامنے اسے
کھولوں۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ آپ کی مرضی ہے۔ لفافہ صرف آپ لوگوں کے لیے
ہے۔ لہٰذا آپ ہماری غیر موجودگی میں کھول سکتے ہیں۔" وکیل
اختر ندیم نے کہا۔

"تب تو میں اسے علیحدگی میں ہی کھولوں گی۔" انہوں نے
کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ الگ کمرے میں جا کر اسے پڑھ لیں۔
اتنی دیر میں ہم ان الماریوں کا جائزہ لے لیتے ہیں۔" انسپکٹر
کامران مرزا بولے۔

"ضرور کیوں نہیں۔ کیا ہم میں سے کسی کا کمرے میں موجود
رہنا ضروری ہے؟" بیگم ماجد تارا نے پوچھا۔

"ہاں! اس لیے کہ تجوری میں بے اندازہ دولت ہے۔"

"اوہ۔ ہم نے اس نظریے سے نہیں پوچھا تھا۔ ہمیں آپ
پر مکمل اعتماد ہے۔"

"اس کے باوجود میں علیحدگی میں تجوری کا جائزہ نہیں لوں
گا۔ خیر۔ آپ یوں کریں کہ الگ کمرے میں جا کر اس لفافے کو
دیکھ لیں۔ ہم اتنی دیر میں عالم کبیر کے گھرانے سے مل آتے
ہیں، رہے وکیل صاحب۔ تو یہ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھ سکتے
ہیں۔"

"میرا اب یہاں کوئی کام نہیں۔ یہ جاننے کی خواہش ضرور ہے
کہ اس لفافے میں ہے کیا۔ اور لفافہ بھیجنے والے کو کس طرح پتا

تھا کہ کچھ عرصہ بعد سیٹھ ماجد تارا کسی نہ کسی طرح موت کو گلے
لگانے والے ہیں۔ یہ عجیب ترین صورتِ حال ہے اور اس
نے مجھے بُری طرح اُلجھا رکھا ہے۔ آپ لوگ اندازہ لگا ہی سکتے
ہیں کہ میں چھ ماہ سے اس لفافے کی اُلجھن میں ہوں، لہٰذا اگر
آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ڈرائنگ روم میں انتظار
کیے لیتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو اس کے بارے میں بتا
دیجیے گا۔ ورنہ میں اُلجھن لیے لوٹ جاؤں گا۔"

"اچھا خیر۔ آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔" بیگم ماجد
نے کہا۔

وہ تین مختلف سمتوں میں روانہ ہوئے۔ انسپکٹر کامران مرزا
انہیں لے کر عالم کبیر کے گھر کے لوگوں کے پاس آئے۔ یہ
کُل پانچ افراد تھے۔ تین لڑکے، ایک لڑکی اور ان کی والدہ
ان پر نظر پڑتے ہی عالم کبیر کے بڑے بیٹے نے تقریباً چیخ
کر کہا:

"آخر ہم لوگوں کو کیوں روکا گیا ہے۔ کیا یہ قتل ہم نے کیا
ہے۔" یہ نوجوان قدرے بھینگا تھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ لوگوں کو روکا اس لیے گیا ہے
کہ کچھ سوالات کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ ان
دونوں خاندانوں کا آپس میں ایک اتنا عجیب تعلق ہے کہ کیا

بتاؤں۔ عقل حیران ہے۔ آپ خود ہی بتائیے۔ آپ کے شوہر
نے اپنی دولت اور جائیداد۔ آخر اس گھرانے کے نام کیوں
کر دی تھی۔"

"کاش اس سوال کا جواب ہمیں معلوم ہوتا۔" عالم کبیر کی
بیوہ نے کہا۔

"یہی اُلجھن ہم بھی محسوس کر رہے ہیں، لیکن اگر آپ لوگ
ہمارے سوالات کے جواب دینا پسند نہیں کرتے تو دوسری
بات ہے، اس صورت میں آپ اپنے وکیل کو یہاں بلالیں۔"

"نہیں امّی۔ ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ
قانون کے محافظ ہیں۔ قاتل کو پکڑنا چاہتے ہیں، ہم ان کے
راستے میں کیوں رکاوٹ بنیں۔ پوچھیے جناب۔ آپ کیا پوچھنا
چاہتے ہیں۔" بڑے لڑکے نے نرم گرم آواز میں کہا۔

"شکریہ۔ پہلے تو ذرا اپنا تعارف کرا دیں۔"

"میں ریاض کبیر ہوں۔ یہ فراز کبیر، سلطان کبیر، نوشابہ کبیر
اور یہ ہماری امّی ہیں، ان کا نام رضوانہ کبیر ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ چھ ماہ پہلے عالم کبیر صاحب کی موت
کس طرح واقع ہوئی۔"

"دل کا دورہ پڑا تھا۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے
وکیل کو بلایا۔ وکیل کے ذریعے وہ اپنی وصیت پہلے ہی لکھوا

چکے تھے۔ اس روز تو بس سب کے سامنے دستخط کیے اور دستخط کرنے کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔ جب وصیت کی تفصیلات ہمارے سامنے آئیں تو ہوش اڑ گئے۔ دنیا اندھیر ہو گئی، لیکن ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس وصیت نامے کو جعلی قرار نہیں دے سکتے تھے۔ شدید بیماری کی حالت میں ابا جان نے اسے پڑھا تھا اور پڑھنے کے بعد اس پر دستخط کیے تھے۔ لہذا ہم کس طرح یہ کہہ سکتے تھے کہ وصیت نامہ جعلی ہے۔"

"انہوں نے آپ لوگوں کے لیے صرف ایک پرانا سا اور چھوٹا سا مکان چھوڑا۔ تھوڑی سی نقدی نام کی، باقی سب کچھ ماجد تارا کو دے دیا۔"

"ہاں۔ سب کچھ انہیں دے گئے۔ کیوں دے گئے۔ یہ بات سوچتے ہوئے ہمیں چھ ماہ ہو گئے، لیکن ابھی تک یہ نہیں سوچ پائے۔ آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ کبھی کبھی تو یہ باتیں سوچتے ہوئے ہم ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں جیسے پاگل ہو جائیں گے۔"

"صبر کریں۔ جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا۔ اب یہ دولت کسی طرح بھی آپ کو واپس نہیں مل سکتی۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" فراز کبیر نے کہا۔

"تو آپ کو ان سے یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں ملی کہ انہوں نے وصیت ماجد تارا کے نام کیوں کر دی۔"

"جی نہیں۔ دستخط کرنے کے فوراً بعد ان پر غشی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اور پھر وہ ہوش میں آ ہی نہیں سکے۔" سلطان کبیر بولا۔

"اوہ۔ اچھا یہ بتائیے۔ کیا ماجد تارا کی آپ کے والد مرحوم سے ملاقات تھی۔ کبھی یہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے نظر آئے؟"

"جی نہیں۔ اس وصیت سے پہلے تو ہم نے کبھی ماجد تارا کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ چھ ماہ سے ہم یہاں کی دعوتوں میں شرکت کر رہے ہیں۔ ماجد تارا کی شکل صورت اچھی طرح دیکھ چکے ہیں، لیکن انہیں ہم نے اپنے گھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ کبھی ابا جان کے منہ سے ان کا نام سنا۔"

"حیرت ہے۔ بہت حیرت۔ اگر ان کا ماجد تارا سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا تو انہوں نے اپنی جائداد کس طرح ان کے نام کر دی۔" آصف بڑبڑایا۔

"یہی وہ سوال ہے۔ جو ہمیں پاگل بنائے دے رہا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے جیسے ہم ضرور پاگل ہو جائیں گے۔"

"اس وقت ہم جس کوٹھی میں موجود ہیں۔ کیا یہ کوٹھی بھی

انہیں وصیت کے بعد ملی؟" فرحت نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جی ہاں! پہلے اس میں ہم رہتے تھے، پھر ابا جان کی وصیت کے بعد یہ ہمیں خالی کرنا پڑی۔ اس کے در و دیوار دیکھ دیکھ کر تو ہمیں رونا آتا ہے۔" بیگم عالم کبیر نے کہا۔

ان کے دل بھی بھر آئے۔ یہ ایک عجیب کہانی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا، وہ خود بھی اس میں بُری طرح اُلجھتے جا رہے ہیں۔ اس وقت قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انہوں نے سر اوپر اٹھائے تو ماجد تارا کے گھر کے افراد چلے آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر اُلجھن اور بے چینی کا ایک عجیب عالم تھا۔ بیگم تارا کے ہاتھ میں وہی لفافہ تھا۔ وکیل اختر ندیم بھی ساتھ تھا۔

○

"آپ لوگ اس لفافے کو کھول کر دیکھ چکے؟"

"جی ہاں! اس میں صرف چند الفاظ درج ہیں، حیرت ہے، ان چند الفاظ کو ہم تک پہنچانے کے لیے اُس شخص نے پانچ ہزار روپے کیوں خرچ کیے۔" بیگم تارا بولیں۔

"اس میں کیا الفاظ لکھے ہیں؟"

"لیجیے۔ آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کاغذ لیا اور سب نے اس پر لکھے الفاظ پڑھے۔ الفاظ یہ تھے:

"آخر میں نے انتقام لے ہی لیا۔"

اور بس۔ اس کاغذ پر ان کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا بات ہوئی؟" فرحت ہکلائی۔

"پپ۔ پتا نہیں۔ بات تو واقعی کوئی ہوتی نظر نہیں آتی۔" آفتاب بولا۔

"کاغذ پر لکھا ہے، آخر میں نے انتقام لے لیا۔ لفافہ چھ ماہ پہلے وکیل صاحب کے پاس رکھوایا گیا تھا۔" آصف نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اس طرح تو اُلجھن بالکل ختم ہو گئی ہے۔ بات تو بن گئی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی کیا فرمایا۔ بات بن گئی ہے۔ ذرا ہم بھی تو سُنیں، کون سی بات بن گئی اور کس طرح بن گئی۔" آفتاب نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے۔ کوئی شخص ماجد تارا صاحب سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ ابھی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ انتقام کیوں لینا چاہتا تھا۔ بہرحال۔ اس نے چھ ماہ پہلے پروگرام بنایا اور

اب آکر اس پر عمل کرنے میں کامیاب ہوا۔ دوسروں کو اُلجھانے
کے لیے اس نے یہ لفافہ وکیل صاحب کو بھیج دیا۔ اب ہمیں
صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے جو ماجد تارا سے انتقام
لینا چاہتا تھا اور دوسرے یہ کہ اسے ماجد تارا سے کیا دشمنی تھی۔
ہو سکتا ہے، اس کاغذ پر اس شخص کی انگلیوں کے نشانات بھی
ہوں گے، لیکن افسوس ہم نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ یوں
بھی یہ چھ ماہ پہلے کا ہے۔ اس لیے نشانات رہے بھی ہوں گے
تو ختم ہو گئے ہوں گے۔"

"خنجر پر نشانات نہیں ملے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس
شخص کو نشانات کی اہمیت کا بہت اچھی طرح احساس ہے۔
لہذا پوری کوشش کی ہو گی کہ کاغذ پر بھی انگلیوں کے نشانات نہ
آئیں۔"

"ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب ہمیں یہ باتیں معلوم ہیں۔
عالم کبیر ایک بہت دولت مند شخص نے مرتے وقت اپنی دولت
ماجد تارا کے نام کر دی۔ دونوں گھرانوں کی امید کے بالکل خلاف
ایسا ہوا۔ ماجد تارا نے دولت مند بننے کے بعد ہر ماہ دعوت
دینا شروع کی اور ان دعوت میں اپنے دوست احباب کے
علاوہ عالم کبیر کے گھر کے افراد کو بھی بلاتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ
کیا ماجد تارا نے عالم کبیر کی وصیت کے مطابق ان کی تمام دولت
اور جائیداد خاموشی سے اپنے قبضے میں لے لی۔ انہوں نے ذرا بھی
یہ کوشش نہیں کی کہ وہ یہ دولت عالم کبیر کے بیوی بچوں کے پاس
بھی رہنے دیں۔"

"اس بات کا جواب یہ دونوں گھرانے دے سکتے ہیں یا ہم
عالم کبیر کے وکیل کچھ بتا سکتے ہیں۔ اس وقت یہاں سبھی لوگ
موجود ہیں۔ مسٹر اختر ندیم کیا آپ بھی عالم کبیر صاحب کے وکیل
تھے؟"

"نہیں۔ میں ان دونوں گھرانوں میں سے کسی کا بھی وکیل
نہیں۔ مجھے تو آپ اس نامعلوم آدمی کا وکیل سمجھیں جس نے مجھے
یہ بند خط بھیجا تھا اور خط یہاں پہنچانے کے بعد میں اس کا
وکیل بھی نہیں رہا، کیونکہ اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔"

"ہوں۔ تو پھر بیگم کبیر بتائیں گی۔ ان کے خاوند کے وکیل کا
نام کیا ہے؟"

"جواد جوشانی۔" انہوں نے کہا۔

"شکریہ۔ ہم ان سے مل لیں گے۔ اور ہاں۔ اب ذرا
ہم ماجد تارا صاحب کی الماریوں وغیرہ کا جائزہ لے لیں۔ عالم کبیر
کے گھر کے افراد اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ البتہ بغیر اجازت
ابھی شہر سے کہیں نہیں جا سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"شکریہ۔ ہمیں ضرورت ابھی کیا ہے شہر سے باہر جانے کی۔"

بیگم کبیر نے بُرا سا منہ بنایا۔

وہ پھر ماجد تارا کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ باقی لوگوں کو انہوں نے باہر ہی رہنے کی ہدایت کر دی۔ دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:

"حد درجے اُلجھا ہوا کیس ہے۔ میری بے چینی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

"جب آپ کی بے چینی کا یہ حال ہے تو ہماری بے چینیوں بے چاریوں کا تو پتا نہیں کیا حال ہو گا۔" آفتاب بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"اس کیس کی سب سے زیادہ عجیب بات عالم کبیر کا اپنی دولت ماجد تارا کے نام کرنا ہے۔ جب کہ ان کے اپنے بیوی بچے موجود تھے۔ آج تک دُنیا میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو گا۔" آصف نے کہا۔

"ہاں۔ اور دوسری عجیب بات وہ بند خط ہے۔ آخر وہ کس نے لکھا۔ لکھنے والے کو چھ ماہ پہلے کس طرح معلوم تھا کہ وُہ ماجد تارا کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گئی۔ یہ تو بالکل سیدھی سی بات ہے۔" فرحت چونک کر بولی۔

"کون سی بات بالکل سیدھی سی ہے۔" آفتاب نے بھنّا کر کہا۔

"عالم کبیر نے اپنی تمام دولت ماجد تارا کے نام کر دی۔ ظاہر ہے۔ عالم کبیر کے بیوی بچوں کا خون کھول گیا ہو گا۔ ان پر رنج اور غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو گا۔ انہوں نے ماجد تارا کو دھمکی دی ہو گی کہ وہ ان کی دولت حاصل نہ کرے، لیکن جب ماجد تارا نے ان کی دھمکی کا کوئی اثر نہ لیا اور قانون کی مدد سے ہر چیز پر قبضہ کر لیا تو ان میں سے کسی ایک نے ماجد تارا کو قتل کرنے کا پروگرام بنا لیا اور وکیل اختر ندیم کو وہ بند خط بھیج دیا۔"

"لیکن اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" آصف نے اعتراض کیا۔

"اپنے دلوں میں بھڑکی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کی ضرورت تھی۔" فرحت پُرزور لہجے میں بولی۔

"واقعی فرحت۔ اس طرح تو یہ کیس بالکل سیدھا ہو گیا، لیکن یہ بات پھر بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ عالم کبیر کو جائیداد اپنے بچوں کی بجائے ماجد تارا کو دینے کی کیا ضرورت تھی۔" آفتاب بولا۔

"اگر یہ بات معلوم ہو جائے تو ہم قاتل تک پہنچ جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا مُسکرائے۔

"انکل، آپ کے مسکرانے کا انداز کہہ رہا ہے۔ آپ کی سمجھ میں اس کی وجہ آ گئی ہے۔"

"نہیں بھئی۔ میری مسکراہٹ کا غلط مطلب نہ لو۔ ابھی میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"اوہ۔ تب تو معاملہ ابھی دُور ہے۔"

انسپکٹر کامران مرزا ایک الماری کے پٹ کھول چکے تھے۔ اس میں فائلیں ہی فائلیں بھری پڑی تھیں۔ انہوں نے مل کر ان فائلوں کو دیکھنا شروع کیا، لیکن یہ سب کاروباری فائلیں تھیں، ان چھ ماہ کے دوران ماجد تارا نے خوب دل کھول کر کاروبار کو چلایا تھا اور اسے بے تحاشہ پھیلا لیا تھا۔ یہ سب فائلیں اسی سلسلے کی تھیں۔

اب انہوں نے دوسری الماری کھولی۔ اس میں بھی کاغذات نظر آئے۔ کچھ فائلیں، کچھ پرانی ڈائریاں اور کچھ نوٹ بکیں۔ یہ سبھی چیزیں ان کے مطلب کی تھیں۔ لہٰذا وہ ان میں گم ہو گئے۔ ایک ایک چیز کو کھول کر دیکھنے لگے۔ اچانک فرحت کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"اوہو۔ اس نوٹ بک میں تو بہت ہی اہم خطوط ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے۔ کوئی چیز تو اہم ملی۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اور میں کچھ بہت سی پرانی ڈائریوں کو دیکھ رہا ہوں۔

[illegible]

کامران مرزا پُر جوش لہجے میں بولے۔

"گویا۔ ہمیں اپنے مطلب کی چیزیں آخر مل ہی گئیں اور اب ہم انشاء اللہ بہت جلد اس راز سے پردہ اٹھا سکیں گے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں۔ آؤ۔ پہلے ان کا مطالعہ کریں۔"

ابھی الماری کے پاس سے ہٹ کر کرسیوں پر بیٹھے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ انداز شاہد کا تھا؛ چنانچہ آصف نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا:

"معاف کیجیے گا۔ دخل اندازی کر رہا ہوں۔" شاہد بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ دخل اندازی کی ضرور کوئی وجہ ہو گی۔"

"جی ہاں۔ لیکن پہلے آپ سنائیے۔ کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی۔"

"اب کچھ امید ہو چلی ہے کامیابی کی۔ ہم چند خطوط اور کئی پرانی ڈائریاں، نوٹ بکیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ کر کے ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں شاید۔" انہوں نے بتایا۔

"بہت خوب۔ اب میری طرف سے سنیے۔ خنجر کا عدسے کی مدد سے جائزہ لیا گیا تو اس کے دستے پر بہت ہی باریک حروف میں فرم کا درج شدہ نام نظر آ گیا ہے۔ [illegible]

سے خریدا گیا تھا۔"

" اوہ۔ بہت خوب۔ گویا ہم کامیابی کی طرف رواں دواں ہیں۔ لیکن شاہد۔ تم ولسن برادرز کے ہاں نہ جانا۔ اور اس بات کو مکمل طور پر راز رکھنا کہ ہمیں خنجر فروخت کرنے والی فرم کا پتا چل گیا ہے۔ میں خود ولسن برادرز کے پاس جاؤں گا۔"

" جی بہت بہتر۔" اس نے کہا۔

" تم بھی یہیں بیٹھ جاؤ۔ اور اب تک ہم اس کمرے سے جو ضروری چیزیں حاصل کر سکے ہیں، ان کا جائزہ تم بھی لے لو۔"

" گویا اب ہمیں خنجر خریدنے والے کا سراغ بھی مل جائے گا۔"

" ہاں۔ انشاء اللہ۔ لو سنو۔ اس ڈائری میں رکھے پہلے خط پر بہت اہم الفاظ درج ہیں۔ یہ خط آج سے دس سال پہلے کا ہے۔ گویا اس وقت ماجد تارا ایک غریب آدمی تھا۔

" میں تم سے انتقام لینے کی حسرت میں تڑپ رہا ہوں لیکن کیا کروں۔ میں بزدل ہوں۔ کسی کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں تو ایک چیونٹی کو بھی نہیں مار سکتا۔ ان حالات میں تم سوچ ہی سکتے ہو۔ میں کس قدر مجبور ہوں۔ لیکن یہ بات صاف اور واضح ہے، میں تم سے انتقام ضرور لوں گا۔ میں دن رات اسی سوچ میں گم رہتا ہوں کہ آخر تم سے انتقام کس طرح لوں۔ میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا کہ کرائے کے قاتل کے ذریعے تمہارا کام تمام کر دوں، لیکن اس میں کوئی مزا نہیں۔ مزا تو تب ہی ہے کہ تم میرے ہاتھوں ہی قتل ہو۔ اور میں اس کی کوئی ترکیب کر ہی لوں گا۔ فکر نہ کرو۔

فقط

تمہارا دشمن۔"

دشمن نے اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ یہ الفاظ پڑھ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔ اور ان کی طرف دیکھنے لگے۔

" آپ اس طرح ہماری طرف کیوں دیکھ رہے ہیں۔ یہ خط ہم نے تو نہیں لکھا۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

" لیکن اس خط کا مطلب کیا ہوا؟"

" انتقام اور صرف انتقام۔" فرحت بولی۔

" یہ خط آج سے تقریباً دس سال پہلے کا ہے۔ گویا اس شخص نے دس سال سوچنے میں گزار دیے۔ کمال ہے۔" آصف بڑبڑایا۔

" اس سے بھی بڑا کمال یہ کہ اس نے ایسی ترکیب کس طرح سوچ لی۔ یا پھر وہ اپنی بزدلی کا خاتمہ کرنے میں کس

طرح کامیاب ہو گیا۔" فرحت بولی۔
"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم
اس کیس کو حل نہیں کر سکیں گے۔" آفتاب بجھے ہوئے
لہجے میں بولا۔
"بزدلی اور مایوسی کی باتیں نہ کرو۔" فرحت نے اسے
گھور کر دیکھا۔
"ویسے بھئی۔ ایک بات ہے۔ اس خط کی تحریر اور اس
خط کی تحریر جو اختر ندیم وکیل لے کر آئے۔ بالکل ایک ہے،
گویا یہ دونوں خط ایک ہی آدمی نے لکھے ہیں، البتہ وکیل صاحب
والا خط دس سال بعد کا ہے۔"
"کہیں یہ سارا چکر وکیل اختر ندیم کا ہی تو نہیں۔"
"ابھی ہمارے پاس اور خطوط ہیں اور پھر ابھی تو ڈائریوں
کی تحریریں بھی ہیں، لہذا دوسرا خط سنو۔" انسپکٹر کامران مرزا
نے کہا اور خط پڑھنے لگے:
"میں ابھی تک اپنی اسی ادھیڑ بن میں ہوں۔ ابھی
کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا۔ لیکن تم اس کا مطلب
یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ہمت ہار گیا ہوں، یا میں نے
انتقام لینے کا خیال چھوڑ دیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا،
میں انتقام لیے بغیر نہیں رہوں گا۔ اب میں ایک

نئے زاویے سے سوچ رہا ہوں۔ جلد کسی نتیجے پر
پہنچوں گا۔ تم دیکھ ہی لو گے۔ فقط
تمہارا دشمن!"
"اب ہم ذرا جلدی جلدی باقی خطوط کا جائزہ لیتے
ہیں، سب ایک ایک خط پڑھنا شروع کریں۔ اگر کسی خط
میں کوئی کام کی بات نظر آئے تو بتا دے۔" انسپکٹر کامران مرزا
بولے۔
وہ اس کام میں جٹ گئے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد فرحت
بولی:
"انکل! یہ خط سننے کے قابل ہے۔"
"چلو سناؤ۔" وہ بولے اور فرحت نے خط پڑھنا شروع کیا:
"آخر میں نے وہ ترکیب ڈھونڈ ہی لی جس کے
ذریعے میں تمہیں ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاؤں
گا۔ یقین کرو۔ ترکیب بہت شاندار ہے۔ اس
قدر زوردار اور بے ضرر ہے کہ میں ناکام نہیں ہوں
گا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے، تب کہیں جا کر
یہ ترکیب سوجھی ہے۔ ترکیب اگرچہ بہت مشکل اور
تکلیف دہ ہے، لیکن اس پر عمل کرنا ہی ہو گا۔
اب تمہاری زندگی کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں۔

فقط
تمہارا دشمن!"

فرحت کی زبانی یہ خط سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔
انسپکٹر کامران مرزا نے اس کے ہاتھ سے خط لے لیا اور
اسے بھی اہم خطوط میں رکھ لیا۔ اس خط کے بعد ماجد تارا
کو کوئی خط نہیں لکھا گیا تھا۔ اس لیے اب وہ ڈائریوں کی
طرف متوجہ ہوئے (اور ان کے مطالعے میں غرق ہو گئے)۔ آدھ
آدھ گھنٹے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے سر اٹھایا:
"تمام ڈائریوں کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا
ہوں کہ جب بھی اسے کوئی دھمکی آمیز خط ملا۔ اس نے اس
کا ذکر ڈائری میں کیا، البتہ ان سب ڈائریوں سے پہلے کی ایک
ڈائری میں چند صفحات بہت اہم ہیں۔ میں تم لوگوں کو سنائے
دیتا ہوں۔ لو سنو:

آج میرے والد اس دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ مرنے
سے کچھ دیر پہلے انہوں نے ایک عجیب بات بتائی،
اس عجیب بات نے مجھے پریشان کر دیا۔ ان کا
کہنا ہے کہ اس دنیا میں ان کا ایک دشمن موجود
ہے۔ وہ انتقام لینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ لیکن

انتقام لینے کی کوشش کرے۔ لہٰذا مجھے ہر طرح محتاط
رہنا ہوگا۔ انہوں نے دشمن کا نام نہیں بتایا۔ نہ
کوئی اور بات بتائی جس کی مدد سے میں دشمن کو پہچان
سکوں۔ گویا وہ میرے لیے مرتے وقت ایک عجیب اُلجھن
چھوڑ گئے ہیں۔ اب میں حیران اور پریشان ہوں کہ
وہ دشمن کون ہے اور میں خود کو اس سے کس طرح
بچا سکتا ہوں۔ میری اُلجھن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔
خدا خیر کرے۔"

یہ الفاظ پڑھ کر انسپکٹر کامران مرزا چند لمحوں کے لیے رُکے
پھر بولے:
"اس تحریر کے بعد۔ یعنی والد کی وفات کے بعد ہی دھمکی
آمیز خطوط کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور آج سے چھ ماہ پہلے تک
جاری رہا۔ یہاں تک کہ ماجد تارا ہلاک کر دیے گئے۔ حیرت
ہے۔ آخر دس سال کے بعد قاتل میں قتل کرنے کی ہمت کس
طرح پیدا ہو گئی۔ اس کا تو کہنا تھا کہ وہ ایک چیونٹی کو بھی
ہلاک نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے ایک جیتے جاگتے صحت مند
آدمی کو کس طرح مار دیا۔"
"یہ کیس تو ہمیں اور بھی اُلجھا رہا ہے۔" فرحت
نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اُلجھا لینے دو اسے بھی۔ یہ بھی
کیا یاد کرے گا۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ دماغ تو ٹھیک ہے۔" آصف نے جلا
کر کہا۔

"اوہ۔ شاید میں کچھ غلط کہہ گیا۔" آفتاب گھبرا کر بولا۔

"شاید نہیں۔ یقیناً۔ اور یہ تمہاری خاص عادت ہے۔" فرحت
نے منہ بنایا۔

"اچھا اچھا۔ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"اس کے بعد ایک ڈائری میں چھ ماہ پہلے کی یہ تحریر ہے
کہ کس طرح انہیں بیٹھے بٹھائے دولت مل گئی۔ وہ اس پر
حد درجے حیران ہے۔ اور پریشان بھی۔ لیکن ساتھ میں بے پناہ
خوش بھی ہے کہ اتنی بڑی دولت کا مالک بن گیا۔ اس کے
بعد اسے کوئی دھمکی آمیز خط نہیں ملا۔ یہاں تک کہ دولت ملنے کے
چھ ماہ بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ ان سب باتوں سے تم لوگ
کس نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"نتیجہ۔ یہاں تو کسی نتیجے کا دُور دُور تک پتا نہیں۔" آفتاب
نے حیران ہو کر کہا۔

"عقل کی ایک عینک لگا لو۔" فرحت نے فوراً کہا اور وہ
مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ آفتاب نے اسے کھا جانے والی نظروں

سے گھورا اور بولا:

"تم چاہتی ہو۔ سب تمہارے جیسے نظر آئیں۔ اسی دم کٹے
بندر کی طرح۔"

"کون سے دُم کٹے بندر کی طرح۔" آصف حیران ہو کر بولا۔

"ارے۔ تم نے دُم کٹے بندر کی کہانی نہیں سُنی۔ خیر سنو۔"

"اوہو۔ چھوڑو بھئی۔ کام کی بات کرنے دو۔ ہم ان خطوط،
نوٹ بکوں اور ڈائریوں کو ایک الماری میں محفوظ کر دیتے ہیں
اور ذرا خنجر کے سلسلے میں ولسن برادرز سے مل آتے ہیں،
شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ صاف ظاہر ہے۔ یہ
خنجر نیک ارادے سے نہیں خریدا گیا تھا۔"

"تو پھر چلیے۔" آصف نے کہا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، کیونکہ میں نے ولسن برادرز
کی دکان دیکھ رکھی ہے۔" شاہد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ چلو۔"

پندرہ منٹ بعد وہ ولسن برادرز کی دکان میں داخل ہو
رہے تھے۔ یہ صرف اسلحے کی دکان تھی، بے شمار پستول، ریوالور
رائفلیں، چاقو، خنجر اور تلواریں شوکیسوں میں سجی تھیں۔ ایک
نیلی آنکھوں والا آدمی فوراً ان کی طرف بڑھا، اس کے علاوہ
صرف ایک اور آدمی کاؤنٹر پر بیٹھا تھا۔ گویا پوری دکان میں

صرف دو آدمی تھے۔ دوسرا آدمی بھی نیلی آنکھوں والا تھا۔ شاہد نے پہلے تو تعارف کرایا، پھر وہ خنجر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا:

"اس خنجر کو پہچانتے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔ اس قسم کے خنجر صرف ہماری دکان سے ملتے ہیں۔ یہ بھی ہماری دکان کا ہے۔ کیوں کیا بات ہے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔ (یہاں لانے سے پہلے خنجر کو خون سے پاک کر دیا گیا تھا)

"ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ خنجر کب اور کس نے خریدا؟"

"اس کے لیے ہمیں پہلے اس خنجر پر لکھے نمبر کو دیکھنا ہوگا اور ایسا عدسے سے کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جو کرنا ہے کریں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

وہ اٹھ کر کاؤنٹر پر گیا۔ کاؤنٹر والے کو ساری بات بتائی وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے پاس آیا۔ باری باری ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا:

"خیر تو ہے جناب۔ کیا اس خنجر سے کوئی واردات کی گئی ہے؟"

"ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔"

"اوہ!" اس نے بوکھلا کر کہا۔ اتنے میں دوسرا عدسہ لے کر خنجر پر جھک چکا تھا، پھر اس نے خنجر کا نمبر نوٹ کیا اور ایک رجسٹر کھول کر اس پر جھک گیا۔ دو منٹ بعد اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ یہ خنجر ہماری دکان سے آج سے صرف دو ماہ پہلے خریدا گیا۔ خریدنے والے نے اپنا نام احسان خان لکھوایا تھا۔"

"ویری گڈ۔ اس نے اپنا پتا بھی لکھوایا ہوگا۔"

"ہاں، بالکل۔ ہمیں ہر گاہک کا نام اور پتا لکھنا پڑتا ہے اور پستول وغیرہ تو لائسنس کے بغیر فروخت کیے ہی نہیں جاتے۔" وہ بولا اور ایک کاغذ پر پتا لکھ کر دے دیا۔

"بات صرف دو ماہ پہلے کی ہے۔ کیا آپ اس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟"

"اگر بات دس سال کی ہو، تب بھی بتا سکتے ہیں۔" دوسرا مسکرا کر بولا۔

"جی۔ وہ کیسے؟" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ ہم خریدار کا حلیہ بھی نوٹ کرتے ہیں۔"

"ویری گڈ۔ آپ لوگ بہت اچھے دکاندار ہیں۔ ہاں تو بتائیے اس کا حلیہ۔"

"وہ لمبا اور پتلا دبلا نوجوان تھا۔ سر پر ٹوپی تھی۔ سر کے بال سیاہ رنگ کے تھے۔ قمیص شلوار پہنے ہوئے تھا۔"

"ٹوپی یا ہیٹ۔"

"جی۔ ٹوپی۔ گول ٹوپی۔"

"بہت بہت شکریہ۔ کوئی اور بات جو آپ بتا سکیں۔"

"جی۔ بس۔ اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھا جناب۔ بہت بہت شکریہ۔"

وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ واردات کیا ہوئی ہے؟"

"اس خنجر کے ذریعے تھوڑی دیر پہلے ایک انسان کو قتل کیا گیا ہے۔"

"اوہ!" وُہ بوکھلا کر بولے۔ انہیں خوف زدہ چھوڑ کر وُہ باہر نکل آئے۔

"اف خدا۔ یہ حلیہ تو عالم کبیر کے بیٹے کا ہے۔" فرحت نے کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ بالکل یہی بات ہے۔" آصف بولا۔

"ضروری نہیں کہ خنجر خریدنے والا عالم کبیر کا بیٹا ریاض ہی ہو۔ کوئی بھی شخص گول ٹوپی پہن کر خنجر خریدنے کے لیے آ سکتا تھا۔ اس نام اور پتے کو نہ بھولو۔ ابھی ہم نے اسے چیک نہیں کیا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"تو لگے ہاتھوں اسے بھی چیک کر لیتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ اب ہم اسی کی طرف جائیں گے۔ شاید تم نے پتا پڑھ ہی لیا تھا۔ لہذا چلو۔"

بتائے ہوئے پتے پر پہنچ کر انہوں نے جیپ روک لی اور نیچے اُتر پڑے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ آصف نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ فوراً ہی ایک پتلا دُبلا نوجوان باہر نکلا۔ اور ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں بولا:

"جی فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ کا نام احسان خان ہے؟"

"جی۔ ہاں۔ بالکل یہی نام ہے۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ نے دو ماہ پہلے ولسن برادرز سے ایک خنجر خریدا تھا۔"

"ولسن برادرز۔ خنجر۔ میں نے خریدا تھا۔ نہیں تو۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تو آپ نے دو ماہ پہلے کوئی خنجر نہیں خریدا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اسے گھورا۔

"جی۔ نہیں تو۔"

"آپ کو ذرا ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" وہ بولے۔

"کہاں۔ اور کیوں؟" اس کا رنگ اُڑ گیا۔

شاہد نے جلدی جلدی اسے بتایا کہ معاملہ کیا ہے، اس کی

حیرت کا کیا پوچھنا۔ آخر وہ اپنے گھر والوں کو بتا کر ان کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا، وہ ایک بار پھر ولسن برادرز کی دکان میں داخل ہوئے —

"ہم احسان خان کو لے آئے ہیں۔ وہ یہی تھے نا۔ جنہوں نے خنجر خریدا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

دونوں دکانداروں نے اسے بغور دیکھا اور کچھ پریشان سے نظر آنے لگے:

"آپ نے بتایا نہیں؟"

"ہم اُلجھن سی محسوس کر رہے ہیں جناب۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ صاحب ہیں تو اتنے ہی لمبے اور پتلے دُبلے۔ ان کے بال بھی سیاہ رنگ کے ہیں، لیکن چہرہ وہ معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"شاید اس لیے کہ ان کے سر پر اس وقت ٹوپی نہیں ہے۔ شاہد بازار سے ایک ترکی ٹوپی خرید لاؤ۔"

"جی — جی بہتر۔" شاہد نے بوکھلا کر کہا اور دکان سے نکل گیا — پندرہ منٹ بعد وہ ٹوپی لے آیا۔ اب ٹوپی احسان خان کے سر پر رکھ دی گئی —

"اب بتائیے — کیا یہ وہی ہیں؟"

"اب یہ تقریباً وہی نظر آ رہے ہیں، لیکن ہم یقین سے ابھی

بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"ہوں۔ احسان صاحب۔ آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"میں پلاسٹک کے کھلونے بنانے کی ایک فرم میں ملازم ہوں۔" اس نے بتایا۔

"فرم کا نام؟"

"روبی ٹوائز۔"

"شاہد۔ نوٹ کر لو۔ فرم کا پتا بھی لکھ لو۔ ہم مزید تحقیق کریں گے۔" انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی بہتر۔" شاہد نے کہا اور نوٹ کر لیا۔

انہوں نے احسان خان کو اس کے گھر چھوڑا اور عالم گیر کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ دستک کے جواب میں خود دروازہ کھلا اور سامنے ہی ان کی نظریں پڑیں — ادھر وہ انہیں دیکھ کر پریشان ہو گیا:

"خیر تو ہے جناب؟" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں بالکل — ہم ذرا اس گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں — اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہو تو باقاعدہ وارنٹ حاصل کیے جا سکتے ہیں۔"

"جی نہیں، کیوں اعتراض ہونے لگا۔" وہ اداس انداز میں مسکرایا اور انہیں اندر داخل ہونے کے لیے راستہ دیا —

"کیا آپ دو ماہ پہلے ولسن برادرز کے ہاں گئے تھے؟"

"ولسن برادرز کے ہاں — یہ کون صاحب ہیں"

"اسلحہ کی ایک دکان کا نام ہے — آپ نے دو ماہ پہلے اس دکان سے ایک خنجر خریدا تھا۔"

"جی — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"~~چلیے خیر~~ — نہیں گئے ہوں گے — آپ کے والد عالم کبیر ڈائری وغیرہ لکھنے کے تو عادی رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں بالکل — ہم نے ان کی وفات کے بعد تمام نوٹ بکیں اور ڈائریاں پڑھ کر دیکھی تھیں، لیکن کسی میں بھی جائیداد ماجد تارا کے نام کرنے کی وجہ لکھی نظر نہیں آئی" اس نے کہا۔

"آپ کے دیکھنے اور ہمارے دیکھنے میں بہت فرق ہے — (ذرا) ہم بھی ان سب کو دیکھنا چاہتے ہیں"

"شوق سے دیکھیے — آئیے میں آپ کو ایک ایک چیز دکھا دیتا ہوں"

اس نے ہر چیز دکھائی — آخر میں وہ نوٹ بکوں اور ڈائریوں میں گم ہو گئے — لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی — نوٹ بکوں اور ڈائریوں کی تحریر بھی ان دھمکی آمیز خطوط کی تحریر سے بالکل ملتی جلتی نہیں تھی جو ماجد تارا کو ملتے رہے تھے — لہٰذا وہ مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے — ایسے میں آفتاب نے کچھ سوچ کر سوال کیا:

"کیا آپ لوگ ہمیشہ سے اسی شہر میں رہتے آئے ہیں؟"

"جی — جی نہیں — پہلے ہم ایک دور دراز چھوٹے سے تاریخی شہر میں رہا کرتے تھے — اس شہر کا نام کالا شہر تھا"

"کالا شہر — اس نام کا شہر تو اب بھی ہے"

"جی ہاں — میں غلطی سے تھا کا لفظ استعمال کر گیا — اب بھی اس شہر کا یہی نام ہے —"

"تو آپ لوگ کب یہاں آئے؟"

"تقریباً دس سال پہلے"

"ہوں — آپ کے ہاں فون تو ہوگا" انہوں نے بے خیالی میں کہا —

"~~جی جناب~~ ہمارے پاس فون کہاں" اس کے لہجے میں حسرت تھی —

"اوہ ہاں — معاف کیجیے — تو مجھے خیال نہیں رہا"

وہ باہر نکل آئے اور ایک پبلک فون بوتھ سے انسپکٹر کامران مرزا نے ماجد تارا کے گھر کے نمبر ڈائل کیے — ~~جلد ہی~~ دوسری طرف سے حامد تارا کی آواز سنائی دی:

"حامد تارا بول رہا ہوں — فرمائیے — آپ کون ہیں؟"

"انسپکٹر کامران مرزا — میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ

"لوگ ابھی شہر میں کب سے رہ رہے ہیں؟"

"جی — تقریباً دس سال سے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! اس سے پہلے کس شہر میں رہتے تھے؟"

"کالا شہر میں — شاید آپ نے اس شہر کا نام سن رکھا ہوگا۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف بڑھے۔

"لو بھئی — ماجد تارا بھی دس سال پہلے کالا شہر میں رہتے تھے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا —

نیا پہلو

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کیس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ہمیں کالا شہر جانا ہی ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا جیپ میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائے۔

"تو کیس کی تہہ تک پہنچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"لیجیے — ضرورت ہی نہیں ہے — ایک شخص کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے قاتل کا دور دور تک پتا نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ کیس کی تہہ تک پہنچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے — ہے کوئی تک۔" فرحت نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے انکل کہ ہم بیٹھے بٹھائے کالا شہر دیکھ آئیں۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"بیٹھے بٹھائے — تو کیا خواب میں دیکھنے کا ارادہ ہے۔" آفتاب حیران ہو کر بولا۔

"شاہد۔ تم ہمارے وہاں جلد از جلد پہنچنے کے امکانات
کا جائزہ لو۔ اور مجھے فون پر اطلاع دو۔ ہم گھر جا رہے ہیں۔"

"جی بہتر!"

"ہم بلا وجہ اُلجھن مول لے چکے ہیں۔ بات بالکل سیدھی
سی ہے۔ عالم کبیر کے کسی بیٹے نے ہی قتل کیا ہے، کیونکہ ماجد تارا
ان کی جائیداد کا مالک بن بیٹھا تھا۔"

"لیکن ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں۔" فرحت بولی۔

"تو کیا کالا شہر سے ہم ثبوت لائیں گے۔" اس نے جل
بُھن کر کہا۔

"آخر تم کالا شہر جانے سے ڈر کیوں رہے ہو؟"

"ڈرتا ہے میرا جوتا۔" اس نے جھلا کر کہا۔

دو گھنٹے بعد وہ ایک طیارے میں کالا شہر کی طرف جا
رہے تھے۔ جہاز سے اُترتے ہی انہیں ایک سیاہ رنگ کا
بہت بڑا قلعہ دکھائی دیا۔ شاید یہ کسی بادشاہ نے بنوایا تھا۔
وہ سیدھے پولیس اسٹیشن پہنچے۔ جونہی انہوں نے اپنا تعارف
کرایا، پولیس انسپکٹر اچھل پڑا اور نہایت گرمجوشی سے ملا، پھر
انہیں کرسیوں پر بٹھاتے ہوئے بولا:

"میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"دس سال پہلے اس شہر میں دو گھرانے آباد تھے۔ اب

وہ دارالحکومت میں رہتے ہیں۔ ہم ان کے بارے میں چھان بین
کرنے آ رہے ہیں۔"

"ان گھرانوں کے سربراہوں کے نام بتا دیجیے۔ باقی
میں بتا دوں گا، کیونکہ میں یہیں پیدا ہوا تھا اور ہمیشہ یہیں رہا
ہوں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"پہلے تو آپ اپنا نام بتا دیجیے۔" انسپکٹر کامران مرزا
بولے۔

"مجھے رحیم درانی کہتے ہیں۔"

"شکریہ۔ ان کے نام ماجد تارا اور عالم کبیر ہیں۔"

"اوہ۔" اس نے چونکتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا بات ہے۔ آپ یہ نام سُن کر چونک کیوں اُٹھے؟"

"اس لیے کہ یہ دونوں اس شہر کے بہت مشہور آدمی تھے،
بلکہ یہ اتنے مشہور نہیں تھے جتنے ان کے باپ۔ ان دونوں
کی دوستی مثالی تھی۔ دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے، اجمل خان
اور شریف دین جہاں بھی جاتے، ساتھ جاتے۔ اجمل خان ماجد
تارا کا باپ تھا اور شریف دین عالم کبیر کا۔ ایک دن عالم کبیر
کا باپ شدید زخمی حالت میں اپنے گھر آیا۔ اس کی کمر میں خنجر
دستے تک دھنسا ہوا تھا۔ عالم کبیر نے چاہا کہ فوراً باپ کو
ہسپتال لے جائے، لیکن اس سے پہلے ہی وہ دم توڑ گیا۔

مجھے اطلاع دی گئی۔ میں نے کیس کی تفتیش کی۔ قاتل کی تلاش میں بہت بھاگ دوڑ کی، لیکن قاتل کو نہ پکڑ سکا۔ کیونکہ خنجر پر انگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ شریف دین کی کسی سے دشمنی بھی نہیں تھی۔ دوست کی موت پر اجمل خان پھوٹ پھوٹ کر رویا اور پھر ایک سال بعد وہ مر گیا۔ اس کی موت کے بعد ماجد تارا کا دل اس شہر سے اچاٹ ہو گیا اور وہ دارالحکومت چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد عالم کبیر بھی وہیں چلا گیا۔ یہ ہے ان کی کہانی۔"

"اور شریف دین کا قاتل؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اس کا کوئی پتا نہ لگ سکا۔" اس نے کہا۔

"ان کے گھر اب کن لوگوں کے استعمال میں ہیں؟"

"بند پڑے ہیں۔ ان کے دروازوں پر لگے تالے بھی اب تو زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ وہ جاتے ہوئے اپنے مکان فروخت کر کے نہیں گئے تھے۔ نہ ہی ~~پھر~~ کوئی ان میں سے کوئی واپس آیا۔"

"اوہ۔ تب تو ہم ان دونوں مکانوں کا جائزہ لینا پسند کریں گے۔ شاید ہم شریف دین کا قاتل آپ کے حوالے کر سکیں۔"

"جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں۔ اس لیے کہ آج سے چند گھنٹے پہلے ماجد تارا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اور ہم اس کیس کی تفتیش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"اف خدا۔ ماجد تارا کو قتل کر دیا گیا۔ اور عالم کبیر؟"

اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"وہ آج سے چھ ماہ پہلے وفات پا گیا تھا۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گیا۔ آخر چند سیکنڈ بعد بولا:

"تو پھر۔ اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"یہی کہ ان دونوں گھروں کا اندر سے جائزہ لیا جائے۔"

"تو پھر چلیے۔"

وہ رحیم درانی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پہلے عالم کبیر کے گھر کے تالے کو توڑا گیا۔ یہ کارروائی آس پاس کے لوگ حیرت بھرے انداز میں دیکھتے رہے۔ دس سال بعد ان گھروں کے تالے توڑے جا رہے تھے۔

اندر وہ داخل ہوئے۔ ہر چیز پر گرد کی موٹی تہہ جمی تھی۔

"ان حالات میں آپ کس طرح مکان کا جائزہ لے سکیں گے۔" رحیم درانی نے پریشان ہو کر کہا۔

"پھر کیا کیا جائے؟"

"کیوں نہ پہلے جھاڑ پونچھ کرا لی جائے۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائے۔

جھاڑ پونچھ میں دو گھنٹے لگ گئے۔ تب کہیں جا کر مکان اس قابل ہوئے کہ ان کا معائنہ کیا جا سکے۔ پہلے وہ عالم کبیر کے گھر میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ایک ایک چیز کی تلاشی لی۔ الماریوں کو کھول کھول کر دیکھا گیا۔ کاغذات کا جائزہ لیا گیا۔ لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ اس کے بعد ماجد تارا کے گھر کی باری آئی، لیکن یہاں بھی انھیں ناکامی ہوئی۔ کوئی سراغ نہ مل سکا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں پہلے ہی ایک ایک چیز کو دیکھ چکا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں میں نے دس سال پہلے کوئی کسر چھوڑی ہو گی۔"

"ہوں۔ ویسے کیا آپ اس بات کا سراغ لگا سکے تھے کہ شرافت دین پر حملہ کس جگہ کیا گیا تھا۔"

"پرانے کھنڈرات میں۔ خون کے قطرات مجھے ان کھنڈرات تک لے گئے تھے۔ لیکن وہاں بھی [illegible] سراغ نہیں ملا تھا۔ یہ کھنڈرات یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

"تو پھر کیوں نہ ان کھنڈرات کو بھی دیکھ لیا جائے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" رحیم درانی نے کہا۔

اور وہ پیدل ہی کھنڈرات کی طرف روانہ ہوئے۔ دو منٹ بعد ہی کھنڈرات نظر آنے لگے۔ یہ علاقہ آبادی برائے نام تھی۔ یہ کسی قلعے کے کھنڈرات تھے۔ اور بہت بوسیدہ تھے۔ ایک جگہ رک کر رحیم درانی نے انگلی سے اشارہ کیا:

"یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں خنجر مارا گیا۔"

"تو یہاں بھی کسی قسم کے نشانات [illegible] رہے تھے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ پتھریلی جگہ ہے۔ یہاں صرف خون گرا ہوا ملا تھا۔ اور خون کے قطرے شرافت دین کے گھر تک پہنچے گئے تھے۔"

"ہوں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ ان کھنڈرات کا ایک ایک حصہ دیکھنے لگے۔

"کیا مقتول صاحب گھومتے پھرتے اس طرف آیا کرتے تھے؟" فرحت نے پوچھا۔

"لوگوں نے یہی بتایا تھا کہ شرافت دین اور اکثر [illegible] طرف [illegible] آیا کرتے تھے۔"

"اوہ۔ تب تو [illegible] کھنڈرات کو اور بھی غور سے دیکھنا

ہو گا۔"

"جی۔ کیا مطلب"

"اب میں ایک اور ہی نظریے سے اس کیس پر غور کر رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"یہ ایک اور ہی نظریہ کیا ہے۔" فرحت بولی۔

"خزانے کا نظریہ۔ کہیں اس کھنڈر کے نیچے کوئی خزانہ تو دفن نہیں تھا۔ جو انہیں نظر آ گیا، لیکن اجمل خان کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نے اپنے دوست شریف دین کی کمر میں خنجر اُتار دیا، وہ زخمی حالت میں گھر پہنچا اور مر گیا۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شریف دین نے گھر پہنچ کر اپنے بیٹے عالم کبیر کو قاتل کا نام بتا دیا تھا۔"

"ہاں، اس کا امکان ہے۔"

"تب اس نے پولیس کو کیوں اس کا نام نہیں بتایا۔"

"خود انتقام لینے کے لیے۔"

"لیکن ابا جان۔ حالات اس کے بالکل اُلٹ ہیں۔ دارالحکومت میں پہنچنے کے بعد ماجد تارا تنگ دستی کے دن گزار رہا تھا، جب کہ عالم کبیر بہت دولت مند ہو چکا تھا۔ اگر ماجد تارا کے باپ اجمل خان نے اپنے دوست کو خزانے کے لیے موت کے گھاٹ اتارا تھا، تب تو دولت ماجد تارا کے پاس ہونی

چاہیے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ دولت عالم کبیر کے پاس تھی اور عجیب ترین بات یہ کہ اس نے اپنی دولت ماجد تارا کے نام کر دی۔ اب اگر اسے یہ معلوم تھا کہ ماجد تارا کا باپ اس کے باپ کا قاتل ہے، تو وہ کسی طرح بھی اپنی دولت اس کے نام نہیں کر سکتا تھا۔ دولت اس کے نام کرنے کا معاملہ بھی ابھی تک نہیں سُلجھ سکا۔"

"مطلب یہ کہ یہ سارا کیس اُلجھی ہوئی ڈور کا ایک گولا ہے اور ہمیں اسی گولے کو سلجھانا ہے۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہاں۔ بالکل یہی بات ہے۔ خیر تو خزانے والا نظریہ بھی غلط ہو جاتا ہے۔ بات ضرور کچھ اور ہے۔ شاید ہم غلط زاویوں سے اس پر غور کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے، شریف دین کو اجمل خان نے ہلاک نہ کیا ہو۔ اس کا قاتل کوئی اور ہی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماجد تارا کو کس نے مارا اور کیوں۔ کیا عالم کبیر کے بیٹے ریاض کبیر نے یا اس کے بھائی سُلطان کبیر نے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو کیوں۔ کیا اس غصے میں کہ ماجد تارا ان کی دولت پر قابض ہو گیا تھا، لیکن اس میں اس کا کیا قصور، یہ قصور تو وصیت کرنے والے کا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، کچھ پلے نہیں پڑ رہا — یہ کیس نہیں — بھول بھلیاں ہیں جس میں ہم گم ہو کر رہ گئے ہیں اب ہمیں کون ڈھونڈے گا۔" فرحت نے بے چین ہو کر کہا۔

"انکل شاہد — اور کون ڈھونڈ سکتا ہے۔" آصف مسکرایا۔

"اور اگر انکل شاہد ناکام ہو گئے تو محمود، فاروق، فرزانہ اور انکل جمشید ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے" آفتاب نے جلدی ~~جلدی~~ کہا۔

"ادھر اُدھر کی نہ ہانکو اور ان کھنڈرات کو چھاننا شروع کرو" انہوں نے منہ بنایا۔

"لیکن ابا جان — ہم چھلنیاں کب ساتھ لائے ہیں۔" آفتاب بول پڑا —

"عقل کی چھلنیوں سے چھانو — تم اتنا بھی نہیں جانتے۔" فرحت نے اسے گھورا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر اپنی چھلنی مجھے دے دو — میری ذرا خراب ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"تم باز نہیں آؤ گے — ہمیں ہر حال میں مجرم کا سراغ لگانا ہے۔"

"میرا خیال ہے — ہم اس کیس کا بالکل غلط پہلوؤں سے جائزہ لے رہے ہیں — اب ہمیں بالکل نئے پہلوؤں سے جائزہ لینا چاہیے۔" فرحت بولی۔

"کیا مطلب — بالکل نئے پہلوؤں سے — ذرا وضاحت کرو۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"نمبر ایک — یہ کسی خزانے کا چکر نہیں ہے — کسی خاندانی دشمنی کا چکر ہے — ریاض کبیر یا سلطان کبیر میں سے کسی نے بھی ماجد تارا کو ہلاک نہیں کیا — یہ کسی اور کا کام ہے — جو ماجد تارا کو دھمکی آمیز خط لکھتا رہا ہے اور وہی شخص شریف دین کا بھی قاتل ہے۔"

"لیکن ماجد تارا کے گھر کے افراد کا کہنا ہے کہ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے — انہیں دشمن کے بارے میں بالکل کچھ نہ معلوم ہو۔"

"عالم کبیر کے گھر والوں نے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اب آپ ہی بتائیے — ہم کیا کریں، کس پہلو سے کیس کا جائزہ لیں۔"

"جائزہ لینے کی بجائے تم ابھی کھنڈر کی طرف توجہ دو۔"

"آپ بار بار کھنڈر کی بات کر رہے ہیں — کیا آپ کو ان کھنڈرات میں کوئی خاص بات نظر آ گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ کوئی نظر آ ہی گئی ہو۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر ہمیں جائزہ لینے کی کیا ضرورت۔ آپ خود ہی بتا دیں۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"ہمیشہ پکی پکائی کھانے کے چکر میں رہتے ہو۔ کچھ محنت کی عادت بھی ڈالو۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"اچھا۔ مشورے کا شکریہ۔ اب ڈالوں گا۔"

اب انہوں نے اور بھی غور سے کھنڈر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک جگہ انہیں مٹی کا ایک ٹیلا سا دکھائی دیا۔ اس ٹیلے میں سے سیاہ رنگ کی ایک ڈوری سی نکلی دکھائی دی۔ اس کا سرا، دھاگے الگ الگ ہونے کی وجہ سے پھندنے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ آفتاب نے بے خیالی میں سرا پکڑ کر کھینچا، لیکن وہ باہر نہ نکل سکا۔ زور لگایا تو ٹوٹ گیا۔ گل گیا تھا۔ اب اس نے ایک نوک دار لکڑی اٹھائی اور ڈوری کے پاس سے ٹیلے کو کھودنے لگا۔ اب ڈوری پھر نظر آنے لگی۔ آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا:

"آپ میری طرف کیا دیکھ رہے ہیں، کھنڈرات کا جائزہ لیجیے نا۔"

"پہلے یہ تو دیکھ لیں کہ یہ ڈوری کیسی ہے۔"

"اچھی بھلی ہے۔ بس ذرا گل سڑ کر کمزور ہو گئی ہے۔" اس نے کہا۔

ڈوری کے آس پاس سے مٹی ہٹتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ڈوری میں بندھی کوئی سنہری چیز آفتاب کی انگلی میں لٹکتی دکھائی دی۔ اس پر مٹی بری طرح چمٹی ہوئی تھی، لیکن کہیں کہیں سے مٹی ہٹی ہوئی بھی تھی۔ اور انہی جگہوں سے اس چیز کا سنہری پن نظر آ رہا تھا۔

"آصف۔ ذرا اپنا چاقو دینا۔"

"چاقو۔ تم اس چیز پر لکیریں ڈال دو گے۔ ہمیں اسے انگلیوں اور ناخنوں کی مدد سے صاف کرنا چاہیے۔" آصف بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ لاؤ آفتاب، یہ مجھے دے دو۔ میں صاف کرتا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اس چیز پر سے مٹی ہٹائی گئی اور اس وقت انہوں نے دیکھا، وہ سونے کا ایک مردانہ لاکٹ تھا۔ لاکٹ کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے:

"اب ہمارے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس جگہ کھدائی کر کے دیکھیں۔"

"بالکل ٹھیک ابا جان۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"انسپکٹر صاحب — کیا کسّی کا انتظام ہو سکے گا؟"

"کیوں نہیں — یہ کیا مشکل ہے۔" اس نے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد دو کانسٹیبل اسی ٹیلے پر باری باری کسّی چلا رہے تھے — پھر ٹیلا ختم ہو گیا اور زمین میں گڑھا کھودنے لگا۔ اچانک کسّی کسی سخت چیز سے ٹکرائی اور ان پر جوش کی حالت طاری ہو گئی — کانسٹیبلوں نے اب کسّی چھوڑ کر ہاتھوں کی مدد سے مٹی ہٹانے کا کام شروع کیا — دوسرے ہی لمحے وہ سب چونک اُٹھے — گڑھے میں لوہے کا ایک صندوق موجود تھا۔
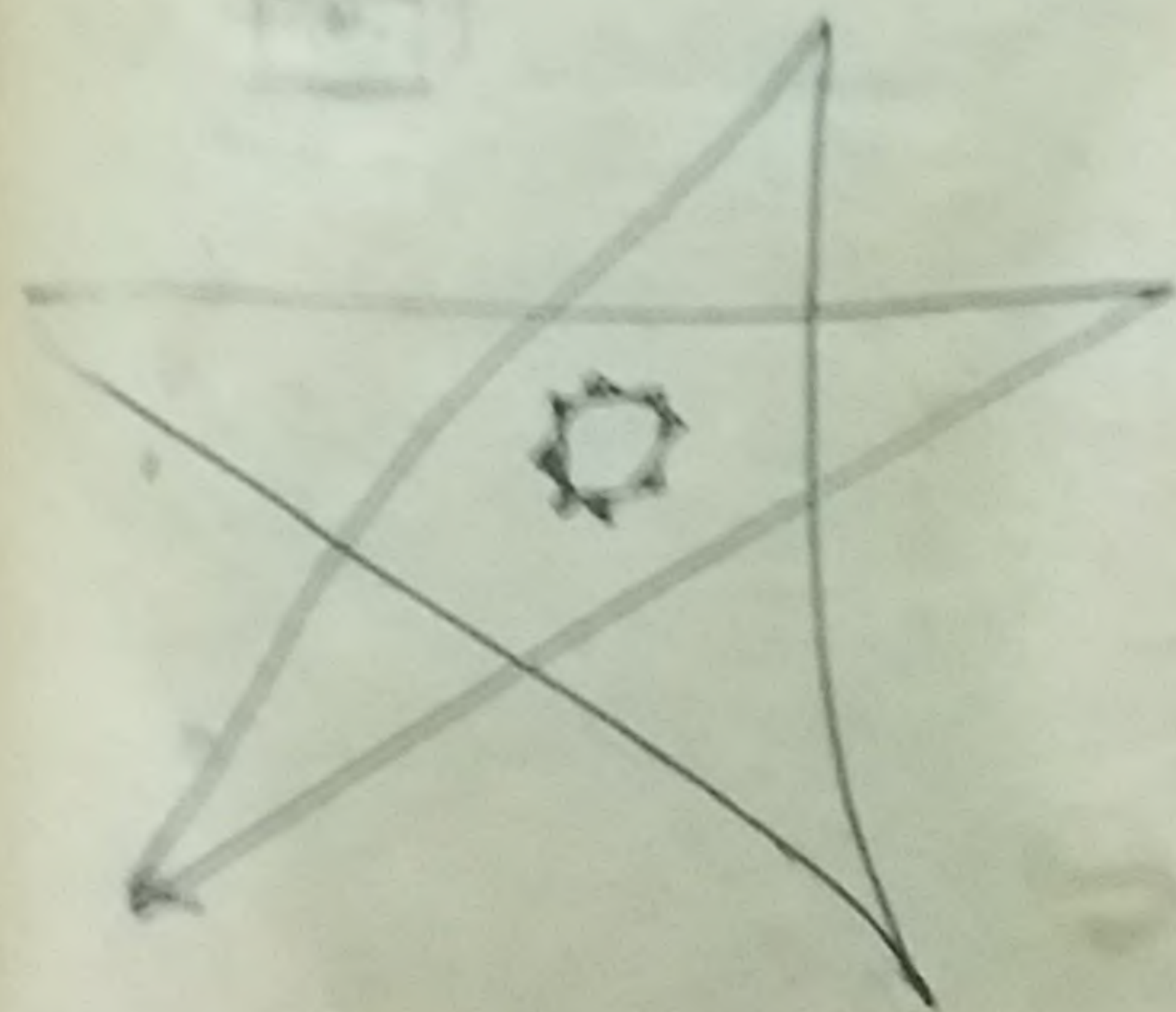
پیارے پاگل

"اُف اللہ! یہ تو دماغ خراب کر دینے والا چکر معلوم ہوتا ہے۔" [illegible] بڑبڑایا۔

"ابھی یہ بات کس طرح کہی جا سکتی ہے — ہو سکتا ہے کہ [illegible]" [illegible] بولی۔

"ان پہیلیوں اور بے ترتیب جملوں کی کیا ضرورت ہے — جو کچھ ہے، ابھی سامنے آ جاتا ہے۔" انسپکٹر نے [illegible]

کانسٹیبل نے [illegible] نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"یہ گھبرانے کی کیا بات ہے — [illegible] نکال [illegible]

[illegible]

دونوں کانسٹیبل [illegible] گڑھے میں سے صندوق [illegible] لگے — صندوق [illegible] تھا [illegible] دونوں کے بس کی بات نہیں تھی — اس بات کا [illegible]

کرتے ہوئے رحیم درانی نے بھی ان کی مدد کی۔ آخر کار
نہ کسی طرح صندوق کو باہر کھینچ ہی لیا گیا۔ صندوق پر
کوئی تالا نہیں تھا۔ البتہ اس کے کنڈے میں لوہے کے
تار کا ایک چھلا ضرور اٹکایا گیا تھا۔ اس چھلے کو اتارا
جانے لگا:

"اس میں تو کوئی بہت بڑا خزانہ معلوم ہوتا ہے"
آصف بولا۔

"لیکن پھر اس خزانے کو گڑھے میں ہی کیوں چھوڑ
دیا گیا۔ مردانہ لاکٹ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ
سے زمین کھودی گئی تھی اور کھودنے والے نے صندوق
کو دیکھ لیا تھا، لیکن پھر اس نے صندوق کو جوں کا
توں رہنے دیا اور گڑھے کو پُر کر دیا۔ ایسا کرتے وقت
اس کے گلے کا لاکٹ گر گیا۔ اس وقت تک گڑھا
پُر ہو چکا تھا، لیکن گڑھا پُر کرنے والا پاگلوں کی طرح
اور مٹی ڈالتا چلا گیا، یہاں تک کہ گڑھے کے اوپر ایک
ٹیلا سا بن گیا۔ بعد میں بارشوں اور ہواؤں کی وجہ
سے ٹیلا چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ مٹی گرتی چلی گئی۔ یہاں تک
کہ لاکٹ کی ڈوری نظر آنے لگی۔ اور ہم اسی ڈوری کی
وجہ سے ہی اس صندوق کو نکالنے میں کامیاب ہو

"انسپکٹر کامران مرزا
کہ اس میں ہے کیا۔"
کہے۔ اب دیکھنا یہ ہے
کہتے چلے گئے۔

"خزانہ۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

اس دوران لوہے کے تار کا چھلا نکال لیا گیا۔
ابھی انسپکٹر کامران مرزا نے ڈھکنے کی طرف ہاتھ بڑھایا
ہی تھا کہ ایک بہت بلند قہقہہ سنائی دیا۔ قہقہہ نہ
صرف بلند تھا بلکہ بہت طویل بھی، اتنا طویل کہ ختم
ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ انہوں نے چونک کر
آواز کی سمت دیکھا۔ وہاں ایک پاگل آدمی کھڑا قہقہہ لگاتا
نظر آیا۔ اس کی آنکھیں باہر کو اُبل آئی تھیں۔ ان سے
پانی بہہ رہا تھا۔ مُنہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی۔
اس کے جسم پر کپڑے چیتھڑوں کی صورت جھول رہے
تھے، چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا، لیکن چونکہ وہ لوگ
اس کی نسبت اونچی جگہ پر کھڑے تھے، اس لیے اس کے
چہرے کو صاف طور پر دیکھنے کے قابل تھے۔

"اوہ۔ یہ تو جمی ہے۔ پاگل جمی۔"

"پاگل جمی۔ کیا مطلب۔"

"یہ اس شہر کا بھی اکیلا پاگل ہے۔ یہاں اور کوئی
پاگل نہیں۔ مدت ہوئی بے چارہ پاگل ہو گیا تھا۔ ویسے

پہلے یہ پاگل نہیں تھا۔ ایک ~~بہت~~ ماہر پامسٹ تھا۔ لوگوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسمتوں کے حال بتایا کرتا تھا۔ لوگوں کی اس کے گرد بہت بھیڑ رہتی تھی۔ اور مزے کی بات یہ کہ یہ ان کھنڈرات کے آس پاس ہی لوگوں کے ہاتھ دیکھا کرتا تھا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن یہ پاگلوں کی طرح ہنس کیوں رہا ہے؟"

"پاگل ہے۔ پاگلوں کی طرح نہیں ہنسے گا، تو کیا ہوش مندوں کی طرح ہنسے گا۔ یہاں تو اچھے بھلے ہوش مند اور عقل مند لوگ پاگلوں کی طرح بات بے بات ہنسنے لگتے ہیں (وہ اتنا بھی نہیں جانتے۔ کہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنسنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے)" آصف نے جلدی ~~جلدی~~ کہا۔

"ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔ رحیم درانی صاحب۔ یہ کسی وقت ہوش مندوں کی طرح باتیں بھی کرتا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی بالکل عقل مند نظر آنے لگتا ہے۔" رحیم درانی نے بتایا۔

"اسے پاگل ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا۔"

"آٹھ سات سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ اس سے پہلے یہ بالکل ٹھیک تھا۔"

"ٹھہریے۔ میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس کا کیا نام بتایا؟"

"پاگل جمی۔ کبھی یہ جمال الدین تھا۔" اس نے بتایا۔

انسپکٹر کامران مرزا اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس کا قہقہہ ابھی تک جاری تھا۔

"بس کرو۔ ورنہ پھٹ جاؤ گے۔" وہ سرد آواز میں بولے۔

جمی کو ایک جھٹکا سا لگا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اس کے قہقہے کا گلا گھٹ گیا ہو۔ اس نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔ چند سیکنڈ تک ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا، پھر بولا:

"تم ~~تم~~۔ تم کون ہو اور گڑے مُردے کیوں اکھاڑ رہے ہو؟"

"بھئی واہ۔ کتنا با محاورہ پاگل ہے۔" آفتاب خوش ہو کر بولا۔

"با محاورہ پاگل۔ نہیں تو۔ میں تو جمی پاگل ہوں۔"

وہ بولا۔

"تم قہقہہ کیوں لگا رہے تھے؟" انسپکٹر کامران مرزا جھنجھلا کر بولے۔

"لگا رہے تھے۔ تم کون ہوتے ہو ہمیں روکنے والے۔ لگائیں گے قہقہے۔" وہ جھلا کر بولا۔

"اچھا ٹھہرو۔ ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور اس کے ایک بازو کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ جمی لڑکھڑا گیا اور منہ کے بل گرا۔ منہ اٹھایا تو یوں لگا جیسے وہ سرے سے پاگل نہ ہو۔

"بھئی واہ۔ مزا آگیا۔ کتنا شاندار جھٹکا تھا۔"

"تو تم۔ پاگل نہیں ہو۔" وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا کہا۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ سچ۔ تم پہلے آدمی ہو جس نے اتنی اچھی بات کہی۔"

"اوہو۔ تو واقعی پاگل ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اندازہ آپ نے کس طرح لگایا؟" آصف بولا۔

"اس کی آنکھوں میں جھانک کر۔"

"میں پاگل ضرور ہوں، لیکن اس صندوق کے بارے میں

[ضر]ور بتا سکتا ہوں۔"

"کیا بتا سکتے ہو؟" وہ حیران رہ گئے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ یہ صندوق ایک شخص کی [مو]ت کی وجہ بنا تھا۔ اس جگہ شریف دین قتل ہوا تھا۔" [و]ہ بولا۔

"[اچھا] اسے قتل کس نے کیا تھا؟"

"اجمل خان نے۔ جو اس کا دوست تھا۔ کاش۔ میں۔ [اجم]ل۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ خوف زدہ انداز میں ان کی طرف [د]یکھا اور پھر جانے کے لیے مڑا۔

"ٹھہرو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ پتا نہیں میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں [ک]یا کہہ گیا ہوں۔" اس نے کہا اور دوڑ گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی [ا]ور جلدی اسے جا لیا۔ ایک بار پھر انہوں نے اسے بازو سے پکڑا اور زوردار جھٹکا دیا، ساتھ ہی بولے:

"بتاؤ۔ کاش سے آگے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کاش میں۔ نے شریف دین کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا۔ وہ منظر آج بھی کبھی کبھی میری آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ شاید اس واقعے نے ہی مجھے پاگل

بنایا تھا۔"

"اوہ۔ لیکن تم نے عقل مندوں کی طرح باتیں کر رہے
ہو۔"

"ہاں، کبھی کبھی میرا پاگل پن بالکل ختم ہو جاتا ہے لیکن
تھوڑی دیر بعد ہی میں پھر۔ ہا ہا ہا۔"

وہ پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ انسپکٹر کامران
مرزا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور مایوسانہ انداز میں واپس
مڑے:

"اب یہ پھر عقل اور ہوش سے عاری ہو چکا ہے۔"
انہوں نے دیکھا۔ جمی پاگل بھاگا چلا جا رہا تھا۔
ساتھ میں وہ بار بار پیچھے مڑ مڑ کر انھیں دیکھ رہا تھا۔ وہ
اس وقت تک اسے دیکھتے رہے۔ جب تک وہ نظروں
سے اوجھل نہ ہو گیا۔

"چلو بھئی۔ اب اس صندوق کا ڈھکنا اٹھا دو۔" انہوں نے
ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔
کانسٹیبل نے جونہی ڈھکنا اٹھایا، وہ بھونچکے رہ گئے۔

صندوق چھوٹے چھوٹے پتھروں وغیرہ سے بھرا پڑا تھا۔
اس میں خزانہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"ارے۔ یہ کیا۔" آصف کے منہ سے نکلا۔

"دیکھ نہیں رہے۔ اینٹیں اور پتھر ہیں۔" آفتاب نے برا
سا منہ بنایا۔

"لیکن کیوں۔ اس صندوق میں پتھر کیوں ہیں؟"

"صندوق سے پوچھو۔ ہمارا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو۔"
آفتاب بولا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے۔" وہ بھنا اٹھا۔

"واقعی۔ معاملہ حیران کن ہے۔ اس گڑھے میں دفن
اس صندوق میں پتھر کیوں بھرے ہیں۔ اس راز سے
پردہ صرف وہ پاگل اٹھا سکتا ہے۔ کیونکہ واردات
ہوتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ انسپکٹر
صاحب۔ اس شخص کو پکڑ کر تھانے میں بٹھائے رکھیں۔ جب
بھی یہ ہوش میں آئے، اس واردات کے بارے میں
سوالات شروع کر دیں۔ ہو سکتا ہے، ہم اس طرح کچھ
معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"جی بہتر۔ میں ابھی اسے پکڑوا لیتا ہوں۔" اس نے
کہا۔

"ہر لمحے ایک نئی اُلجھن کیس میں شامل ہوتی جا رہی ہے۔ اب اس صندوق کی شامل ہو گئی ہے۔ کوئی بات سلجھنے میں تو آ نہیں رہی۔ ہاں اُلجھتی ضرور جاتی ہے۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔" آفتاب نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ اجمل خان نے شریف دین کو ہلاک کر کے اسی صندوق کی دولت پر خود قبضہ کر لیا ہو اور اس میں پتھر بھر کر اسے یہیں دفن کر دیا ہو۔"

"آخر کیوں۔ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر صندوق کی دولت کہاں گئی۔ اجمل خان کی اولاد تو بس گزارہ کرتی رہی۔ یہاں تک کہ عالم گیر نے اپنی جائداد ان کے نام کر دی۔"

"شاید۔ ہم یہ کیس حل نہیں کر سکیں گے۔ میرے دماغ کی تو چولیں ہلنے لگی ہیں۔" فرحت بولی۔

"بہتر ہو گا۔ پہلے چولوں کو کسوا لو۔" آفتاب بولا۔

"آئیے اب چلیں۔ ہمیں ایک دن یہاں ٹھہرنا بھی پڑے گا۔ وہ پاگل نہ جانے کب ہوش میں آتا ہے۔ ویسے کیوں نہ اسے ہم اپنے ساتھ رکھیں۔ میں اس سے آسانی سے معلومات اگلوا لوں گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ اسے آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ آپ پتا بتا دیں۔"

"ابھی ہم نے یہاں رہائش کا بندوبست نہیں کیا۔ جلد آپ کو اطلاع دیں گے۔"

"شکریہ۔ میں جمی کو لے آؤں گا۔"

دو گھنٹے بعد وہ ایک ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے تھے اور جمی ان کے ساتھ موجود تھا۔ انھوں نے اسے کھانے کی بہترین چیزیں منگوا دیں اور وہ بھوکوں کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑا۔ کھا کر فارغ ہوا تو انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"ہاں تو بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ حیران ہو کر بولا۔

"یہی کہ اصل صندوق کو کھنڈرات میں گڑھا کھود کر دفن کیوں کیا۔"

"مجھے پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تم جانتے ہو۔" وہ سخت لہجے میں بولے۔

"[illegible]۔ تم پاگل ہو۔" وہ بولا۔

"چلو۔ میں پاگل ہی سہی۔ ایک پاگل دوسرے پاگل کو تو سب کچھ بتا دیتا ہے۔ پھر تم کیوں نہیں بتاتے۔"

"لیکن بتاؤں کیا پیارے پاگل۔" وہ ہنسا۔

"یہی کہ صندوق کا کیا چکر ہے۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑا اور زور دار جھٹکا دیا۔ اس نے بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے ایک اور جھٹکا دیا۔ اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ وہ اس پر جھک گئے آنکھوں کی پتلیاں اٹھا کر دیکھیں، لیکن وہ ساکت نظر آئیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بن نہیں رہا تھا۔ واقعی بے ہوش ہو چکا تھا۔

"لو بھئی۔ یہ تو ہو گیا بے ہوش۔ اب کیا کریں۔"

"اسے ہوش میں لانے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

جمی کے منہ پر چھینٹے مارے گئے۔ تب کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس بار وہ ہوش و حواس میں نظر آیا۔ حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھا، پھر بولا:

"مم۔ میں کہاں ہوں۔"

"امن کی جگہ۔ یہ بتاؤ۔ اجمل خان نے شریف دین کو کیوں ہلاک کیا تھا؟"

"خزانے کا صندوق حاصل کرنے کے لیے۔ اگر وہ اسے ہلاک نہ کرتا تو خزانہ تقسیم کرنا پڑتا۔" اس نے کہا اور وہ حیران رہ گئے۔ پاگل اب بالکل ہوش میں تھا۔

"تو کیا صندوق میں واقعی خزانہ تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس پر پھر پاگل پن کا دورہ نہ پڑ جائے۔

"نہیں۔ صندوق میں پتھر ہی تھے۔ یہ بات اسے اس وقت معلوم ہوئی جب وہ خنجر اپنے دوست کی کمر میں اتار چکا تھا۔ خنجر مارتے ہی وہ گڑھے میں اُتر گیا، دراصل گڑھا دونوں نے مل کر کھودا تھا۔ لیکن جونہی صندوق پر نظر پڑی۔ اجمل خان نے خنجر دے مارا۔ خنجر کھا کر شریف دین تو گرتا پڑتا گھر کی طرف چلا گیا۔ وہ صندوق نکالنے لگا۔ بڑی مشکل سے صندوق باہر کھینچ سکا۔ لیکن جب اس کا ڈھکنا اٹھایا تو اندر پتھر موجود تھے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ انہوں نے گڑھا کیوں کھودا تھا۔"

"مم۔ میرے کہنے پر ایسا ہوا تھا۔"

"کک۔ کیا مطلب؟" وہ دھک سے رہ گئے۔

"میں نے دونوں کے ہاتھ دیکھے تھے۔ اجمل خان

کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ وہ سچا دوست ثابت
نہیں ہو گا ۔ اور شریف دین کو کسی نہ کسی موقعے پر دھوکا
ضرور دے گا ۔ یہ بات میں نے علیحدگی میں شریف دین
کو بتا دی ۔ اسے یقین نہ آیا ۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں
نے اس سے کہہ دیا کہ اگر یہ بات ہے تو وہ اپنے
دوست اجمل خان کو آزما کر دیکھ لے ۔ اس پر اس
نے کہا ۔ کس طرح آزما کر دیکھ لوں ۔ میں نے اسے
یہ ترکیب بتا دی ۔ کہ لوہے کے ایک پرانے صندوق
میں پتھر بھر کر کھنڈرات میں دفن کر دے ۔ اور پھر
اپنے دوست کو بتانا شروع کرے کہ اس نے ایک
خواب دیکھا ہے ۔ کہ کھنڈرات کے نیچے ایک خزانہ
دفن ہے ۔ اور وہ دونوں کھود کر اس خزانے کو نکال
رہے ہیں ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ۔ اور بار بار اپنے
خواب کا ذکر اجمل خان سے کرنے لگا ۔ آخر وہ بھی
اس کے ساتھ مل کر خزانہ تلاش کرنے پر آمادہ ہو
گیا ۔ ایک رات شریف دین اور اجمل خان دونوں نے
مل کر یہ کام شروع کیا ۔ شریف دین کو تو معلوم ہی تھا کہ
گڑھا کہاں کھودنا ہے ۔ چنانچہ اس نے جلد ہی کہہ دیا

کہ خواب میں یہ جگہ دکھائی دی تھی ۔ بس انہوں نے
کھدائی شروع کر دی ۔ اجمل خان پہلے ہی بد نیت تھا ۔
وہ خنجر لے کر چلا تھا ۔ جونہی اس نے صندوق دیکھا ۔ خنجر اس
کی کمر میں اتار دیا ۔ یہ ہے کُل کہانی ۔ اور یہ سب میری
بتائی ہوئی ترکیب کی وجہ سے ہوا ۔ اس لیے تو اس واقع
کے جلد ہی بعد میں پاگل ہو گیا ۔" وہ ہوش و حواس کی حالت
میں کہتا چلا گیا ۔

" اوہ !" وہ بھونچکے رہ گئے ۔ عجیب کہانی تھی یہ بھی ۔
اسی وقت جمی کے قہقہے شروع ہو گئے ۔ اس پر پھر پاگل پن
کا دورہ پڑ گیا تھا ۔ اب اسے روکے رکھنے کا کوئی فائدہ
نہیں تھا ۔ لہذا انسپکٹر کامران مرزا اسے نیچے چھوڑ آئے اور
ان سے بولے :

" اب کیس کسی حد تک واضح ہو گیا ہے ۔ جہاں تک
میں سمجھتا ہوں ۔ شریف دین گھر پہنچنے کے بعد اپنے بیٹے
کو قاتل کے بارے میں بتانے میں کامیاب ہو گیا تھا ۔
لیکن اس نے بیٹے سے وعدہ لیا کہ پولیس کو کچھ نہیں بتائے گا
اور خود باپ کا انتقام لے گا ۔ شریف دین تو یہ کہہ کر مر
گیا ۔ لیکن بیٹا اُلجھن میں پڑ گیا ۔ کہ انتقام لے تو کس طرح ۔

وہ بہت بزدل تھا۔ اس لیے انتقام نہ لے سکا۔ اس
دوران دونوں گھرانے دارالحکومت آ گئے۔ اب یہاں آ کر
گاڑی پھر اٹک جاتی ہے۔ یعنی عالم بیگ نے باپ کے قاتل
کو اپنی ساری دولت کیوں سونپ دی۔ یہ اس کیس کی
عجیب ترین بات ہے۔ جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی
اب چونکہ ہم یہاں اور کچھ معلوم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا واپس
چلتے ہیں۔ اب ہم ان خطوط، نوٹ بکوں اور ڈائریوں کی
تحریروں پر نئے سرے سے غور کریں گے۔ ہو سکتا ہے، نئے
حالات کی روشنی میں ہم ان کے ذریعے معاملے کی تہہ تک
پہنچ جائیں اور قاتل کو جان جائیں۔"

"بالکل ٹھیک ابا جان۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا کہ اب
یہاں رکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"لیکن جانے سے پہلے ہمیں انسپکٹر صاحب کو نئی معلومات
سنانا ہوں گی۔ ہو سکتا ہے۔ کبھی جمی ٹھیک ہو جائے۔
اور وہ اس کا بیان قلم بند کر سکے۔"

ایک گھنٹے بعد وہ واپس روانہ ہو رہے تھے۔ اور
اس کے دو گھنٹے بعد اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔
شہناز بیگم نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھتے ہی
بول اٹھیں:

"آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ کے پیچھے قتل کا معمہ
...ہو گیا۔ پولیس نے قاتل کو گرفتار کر لیا۔"

"کیا!" وہ چلا اٹھے +

جاسوسی ڈاکٹر

چند سیکنڈ کے لیے موت کا سناٹا طاری رہا، آخر اب
کامران مرزا بولے:
"پولیس نے کس شخص کو گرفتار کیا؟"
"ریاض کبیر کو۔ اس نے تاؤ میں آکر ماجد تارا کو مار ڈالا۔
کیونکہ وہ ان کی دولت کا مالک بن بیٹھا تھا"
"اوہ۔ کیا ریاض کبیر نے جرم کا اقرار کر لیا ہے؟"
"نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قتل اس نے ہرگز نہیں کیا،
لیکن پولیس نے اس کے خلاف ثبوت حاصل کر لیے ہیں"
"اور وہ ثبوت کیا ہیں؟"
"ولسن ہارولڈ (جس سے خنجر خریدا گیا) نے یہ بات تسلیم
کی ہے کہ خنجر ان سے ریاض کبیر نے خریدا تھا"
"لیکن پہلے تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ یقین سے کچھ نہیں
کہہ سکتے"

"ہاں، لیکن اب انہوں نے یقین سے بیان دیا ہے"
"اور کیا ثبوت ملے ہیں پولیس کو؟"
"اس کے والد عالم کبیر کی ایک خفیہ نوٹ بک۔ ریاض
کبیر کے قبضے سے ملی ہے۔ اس نوٹ بک میں عالم کبیر نے
ساری کہانی لکھی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ مرتے وقت
تک وہ اپنے باپ کے قاتل سے انتقام نہ لے سکا، لیکن اس
نے انتقام لینے کی تدبیر کر لی ہے"
"بس۔ اس خفیہ ڈائری میں یہی الفاظ ہیں"
"جی ہاں۔"
"لیکن ان الفاظ سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ اس نے
مرتے وقت ریاض کبیر کے ذمے یہ کام لگایا تھا اور باپ کی
وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس نے ماجد تارا کو موت کے
گھاٹ اتار ڈالا"
"پولیس نے واقعات کی کڑیاں ملا کر یہی نتیجہ نکالا ہے
اور اس کا خیال ہے۔ عدالت اس ثبوت کو پکے والی خیال
کرے گی"
"لیکن عالم کبیر نے اپنی دولت ماجد تارا کے نام کیوں کر دی
تھی۔ اس سوال کا پولیس کے پاس کیا جواب ہے"

بتائی ہیں۔ بہتر ہو گا۔ آپ اُسی سے پوچھ لیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور شاہد کو فون کیا۔

"ہیلو شاہد۔ بھئی یہ کیا سُننے میں آ رہا ہے۔ ریاض کبیر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"جی ہاں! پولیس نے اچھی چالاکی کی ہے۔"

"ہوں خیر۔ عالم کبیر نے اپنی دولت عابدہ تارا کے نام کیوں کر دی تھی، اس کا کیا جواب ہے پولیس کے پاس۔"

"اس خیال سے کہ کہیں اس کی اولاد انتقام لینا بھول نہ جائے۔ دولت اس کے نام کرنے پر اولاد اس شخص سے انتقام لینا ہرگز نہیں بھول سکتی تھی۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ یہ تو بہت معقول وجہ ہے۔"

"اسی لیے تو پولیس کو یقین ہے کہ وہ عدالت میں جرم ثابت کر سکیں گے۔"

"ہوں، اگر ریاض کبیر قاتل ہے۔ تو پھر میں خود اسے پھانسی کے تختے پر دیکھنا پسند کروں گا۔"

"اس کی والدہ، بھائی اور بہنیں آپ سے ملنے کے لیے بے تاب ہیں، مجھے کئی بار فون کر چکی ہیں۔"

"اچھا! میں ان سے مل لوں گا۔"

کھانا کھا کر وہ عالم کبیر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر میں سب لوگ بُری طرح رو رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور بھی رونے لگے۔

"اس طرح تو کچھ نہیں بنے گا۔ حالات اور واقعات آپ لوگوں کے خلاف ہیں۔ جو معلومات ہمیں کالا شہر میں حاصل ہوئی ہیں، وہ بھی آپ لوگوں کے خلاف جاتی ہیں۔ ان حالات میں بھلا کیا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم میں ان خطوط اور ڈائریوں میں درج تمام حالات کا نئے سرے سے جائزہ لے رہا ہوں۔ آپ لوگ حوصلہ رکھیں۔ اگر ریاض کبیر مجرم نہیں ہے تو قانون اسے سزا نہیں دے گا۔ وہ نوٹ بک تو پولیس کے قبضے میں ہو گی۔"

"جی ہاں۔ وہ بھی اور عابدہ تارا کو ملنے والے خطوط بھی۔ ان کی تحریر بھی آپس میں مل گئی ہے۔"

"اوہ۔ اس طرح تو ریاض [illegible] مجرم ثابت ہو جاتا ہے۔ خیر میں دیکھتا ہوں۔"

وہ وہاں سے رخصت ہو کر پولیس اسٹیشن آئے۔ اس نوٹ بک کا مطالعہ کیا۔ اس میں عالم کبیر نے لکھا تھا:

"میرے والد شریف دین کو عابدہ تارا کے والد اجمل خان نے دولت کے لالچ میں قتل کر دیا تھا۔ میرا باپ مرنے سے پہلے مجھ تک پہنچ گیا اور مجھے یہ

بات بتا دی۔ ساتھ ہی اس نے مجھ سے عہد
لیا، میں پولیس کو اجمل خان کا نام نہیں بتاؤں گا۔
پھر اجمل خان قدرتی موت مر گیا اور میں اس سے
انتقام نہ لے سکا۔ پھر میں نے سوچا۔ اگر میں
اجمل خان کو نہیں مار سکا تو کیا ہوا۔ اس کے بیٹے
ماجد تارا کو تو مار سکتا ہوں۔ دارالحکومت میں آ
کر میں نے کئی بار کوشش کی کہ اسے ختم کر دوں،
لیکن یہ کام مجھ سے نہ ہو سکا۔ آخر میں نے اسے
موت کے گھاٹ اتارنے کی ایک انوکھی تدبیر سوچی
اور اب میں اس تدبیر پر عمل کر رہا ہوں۔"

ڈائری میں اس کے بعد ترکیب کا ذکر نہیں تھا۔
انہوں نے ان دھمکی آمیز خطوط کا بھی پھر سے مطالعہ کیا۔
واقعی ان خطوط اور ڈائری کی تحریریں آپس میں ملتی جلتی تھیں،
جب کہ گھر میں ملنے والی عالم کبیر کی تحریریں ان خطوط سے
نہیں ملتی تھیں۔ اس کا مطلب تھا۔ یا تو عالم کبیر بائیں ہاتھ
سے بھی لکھنے کا ماہر تھا اور وہ خطوط اس نے بائیں ہاتھ سے
لکھے تھے۔ اور خفیہ ڈائری بھی اسی ہاتھ سے لکھتا رہا تھا۔

"تو آپ کا خیال ہے کہ عالم کبیر نے صرف انتقام لینے
کے لیے اپنی دولت ماجد تارا کے نام کر دی۔ تاکہ اس کی

اولاد ماجد تارا کے خلاف غصے میں آ جائے اور اسے ختم کر
دے اور اس طرح اس کے باپ کا انتقام لے لیا جائے۔"

"جی ہاں۔ بالکل یہی بات ہے۔ کیس بہت مضبوط ہے،
اور ثبوت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ریاض کبیر بچ نہیں
سکے گا۔ ہم کل اس کا چالان عدالت میں پیش کر رہے
ہیں۔"

"اوہ!" وہ بولے۔

پولیس اسٹیشن سے نکل کر وہ ماجد تارا کے گھر پہنچے۔
یہاں فضا اُداس تھی۔ اگرچہ ماجد تارا کے قاتل کو گرفتار کر
لیا گیا تھا، لیکن چونکہ ماجد تارا اب دُنیا میں نہیں تھا،
لہذا اس کے بیوی بچوں کا اُداس ہونا ضروری تھا۔

"آپ لوگوں کو مبارک ہو۔ قاتل کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں، لیکن ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہمارے ابو تو لوٹ
کر آ نہیں جائیں گے۔" فوزیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر قاتل گرفتار نہ ہوتا تو آپ لوگوں کو اُلجھن رہتی،
اور آپ ساری عمر یہی سوچتے رہتے کہ قاتل کون تھا۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" حامد تارا نے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگ عالم کبیر کے گھرانے سے

سمجھوتہ کر لیں۔"

"سمجھوتہ — کیا مطلب — بھلا ان سے سمجھوتہ کس طرح کر لیں؟"
حامد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"عالم کبیر اپنی دولت تو پہلے ہی آپ لوگوں کو دے
چکا ہے — اب ان کے پاس رہ ہی کیا گیا ہے — ریاض کے سزا
پانے کے بعد ان کا سب کچھ لُٹ جائے گا — کیا یہ بہتر نہیں ہو
گا کہ آپ لوگ اسے معاف کر دیں۔"

"معاف کر دیں — یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"کیوں — اس میں کیا بُرائی ہے؟" وہ مسکرائے۔

"بُرائی — بُرائی تو کوئی نہیں — لیکن ہمارے معاف کرنے
سے کیا ہو سکتا ہے — کیا عدالت ہمارے معاف کرنے پر اسے
چھوڑ دے گی؟"

"کم از کم سزا میں کمی ضرور ہو سکتی ہے — ویسے میں کوشش
کروں گا۔"

"اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" حامد تارا
نے فوراً کہا۔

"کیا کہا — کوئی اعتراض نہیں — حامد — تمہارا دماغ تو نہیں
چل گیا — تم اپنے باپ کے قاتل کو معاف کرنے کا ارادہ کر چکے
ہو۔" ان کی والدہ چلا اٹھیں۔

"لیکن امّی — ہمارا اس میں کیا حرج ہے۔" حامد نے کہا۔

"ہرگز نہیں — تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ بولی۔

"دیکھیے محترمہ — اس طرح پورا ایک گھرانہ تباہ ہونے سے بچ
جائے گا — اور ان کی دولت کے آپ لوگ بدستور مالک رہیں گے،
آخر اس میں کیا بُرائی ہے۔"

"بالکل کوئی بُرائی نہیں۔" ارشد بول اُٹھا۔

"تم — تم بھی یہی کہہ رہے ہو۔" ان کی والدہ نے کہا۔

"ہاں امّی — اگر ہم ایک گھرانے کو تباہ ہونے سے بچا
سکتے ہیں تو ضرور یہ نیک کام کرنا چاہیے۔" نورین تارا نے
کہا۔

"میں بھی یہی کہتی ہوں۔" فوزیہ بولی۔

"تم — تم سب تو میرے خلاف ہو گئے — خیر — اگر تم
سب کی یہی مرضی ہے — تو یونہی سہی —" آخر اس نے ہتھیار
ڈال دیے۔

"بہت خوب — یہ ہوئی نا بات — تو پھر تحریر لکھ دیں —
کہ آپ سب ریاض کبیر کو معاف کرنے پر آمادہ ہیں — اس کے
بعد اگر ضرورت پڑی تو آپ لوگوں کو عدالت میں بھی یہ
کہنا ہو گا۔"

"اچھا۔"

اب وہ تحریر لکھنے لگے۔ انہوں نے الگ الگ کاغذ پر
ریاض کو معاف کر دینے پر رضا مندی کا اعتراف کیا اور اپنے
اپنے دستخط کر دیے۔ وہ کاغذ لے کر انسپکٹر کامران مرزا اُٹھ
کھڑے ہوئے:

"اب ہم چلتے ہیں۔ انشاءاللہ کل عدالت میں ریاض کو
بری کرا لوں گا۔ اور پھر اسے لے کر یہاں آؤں گا۔ وہ خود
تم سے معافی مانگے گا۔"

"اب اس کی کیا ضرورت ہے۔" ان کی والدہ نے منہ
بنایا۔

وہ باہر نکل آئے۔ آفتاب، آصف اور فرحت کا بُرا
حال تھا:

"انکل۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ایک قاتل کو معافی دلائیں
گے۔"

"ہاں بھئی۔ حالات ہی ایسے ہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن انکل۔ ہمارے ملک کا قانون کب یہ اجازت دیتا
ہے کہ مقتول کے گھر والے قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو کر
سکتے ہیں۔"

"بھئی اسلامی قانون میں خون بہا دینے کی اجازت ہے،
پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ عدالت اس معافی کو تسلیم کرتی ہے

یا نہیں۔"

"آپ نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔"

"بھئی۔ دراصل یہ غلطی عالم کبیر کی ہے۔ اور سزا بھگتے گا
بے چارہ ریاض۔ عالم کبیر نے اپنی دولت اس گھرانے کو
دے کر اپنے بچوں کا خون کھولا دیا۔ ورنہ ریاض کو ایسا کرنے
کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں۔ تو۔ تو آپ واقعی اسے بچانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔" انہوں نے مسکرا کر
کہا۔

جیپ گھر کی طرف رواں دواں تھی۔ گھر کے نزدیک پہنچ
کر وہ بولے:

"لو۔ تم یہاں اُتر جاؤ۔ میں ذرا ریاض کبیر کے لیے
بھاگ دوڑ کر آؤں۔ یہ کارروائی دفتری قسم کی ہوتی ہے۔ لہٰذا
تم لوگ بور ہو جاؤ گے۔ یوں بھی تھک گئے ہو گے۔"

"بہت بہت شکریہ! ویسے انکل۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا
تھا کہ اس کیس کا مجرم ریاض ہو گا۔" آصف بولا۔

"تو تم نے کیا سوچا تھا۔"

"میرا خیال تھا۔ یہ چکر وکیل اختر ندیم کا چلایا ہوا ہے۔"

"جب کہ میں شروع سے اب یہ خیال کرتی رہی کہ ریاض

سچا قاتل ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس تو قتل کی وجہ بھی نہیں۔"

"رہ گیا میں۔ تو میں تو سرے سے کچھ سوچتا ہی نہیں رہا۔ میں نے سوچا، ابا جان خود ہی سوچ سمجھ لیں گے۔ مجھے کیا ضرورت ہے، دماغ کھپانے کی۔" آفتاب نے شریر لہجے میں کہا۔

"کام چور تم جیسوں کو ہی کہا جاتا ہے۔" فرحت نے جل کر کہا۔

"ویسے آصف۔ تم آخر ندیم کو کس طرح مجرم خیال کرتے رہے۔ اسے مجرم خیال کرنے کی تو دور دور تک کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اس بند خط کی وجہ سے جو وہ لے کر آیا تھا۔ میں نے خیال کیا تھا، شاید یہ کوئی وصیت کے ردّ و بدل کا چکر ہے۔"

"خیر۔ چھوڑو۔ اب اس کیس پر سوچنے کا وقت ختم ہوا مجرم سلاخوں کے پیچھے ہے۔ ابا جان اسے چھڑانے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ کیس ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہم مکمل طور پر آرام کر سکتے ہیں۔"

"ہم صبح عدالتی کارروائی دیکھنے چلیں گے۔" فرحت جلدی سے

بولی۔

"کیوں۔ کیا تم صبح سکول نہیں جاؤ گی؟" آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔ اس لیے کہ تم بھی نہیں جاؤ گے۔" فرحت نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ہم کیوں نہیں جائیں گے۔" آفتاب جھلا کر بولا۔

"تم دونوں کی یادداشت پر شاید پردہ پڑ گیا ہے۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"غلط۔ پردہ عقل پر پڑا کرتا ہے۔" آصف بولا۔

"تو پھر یہ کیوں بھول رہے ہو کہ کل دوست ملک کے صدر پہلی بار ہمارے ملک کے دورے پر آ رہے ہیں اور اس خوشی میں کل تمام سکول بند رہیں گے۔ طالب علم مہمان صدر کا سڑکوں پر استقبال کریں گے۔"

"اوہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ بات تو ہم واقعی بھول گئے تھے۔ گویا ہم کل سڑکوں کی بجائے عدالت کا رخ کریں گے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں بالکل۔"

"اچھا بھئی۔ تم تینوں آزادانہ انداز میں جھگڑو۔ میں چل

دیا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور چلے گئے۔

"اب ہم کس بات پر جھگڑیں۔ جھگڑنے کی تو ساری باتیں ختم ہو گئی ہیں۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو کسی ڈاکٹر نے کہا ہے جھگڑنے کے لیے۔" آصف جل کر بولا۔

"ڈاکٹر نے نہیں۔ ابا جان نے۔ یہ اور بات ہے کہ تم انہیں جاسوسی ڈاکٹر کہہ سکتے ہو۔" جاسوسی ڈاکٹر

"جاسوسی ڈاکٹر۔ یہ تو بڑا زوردار نام ہے۔" فرحت بول پڑی۔

"ہاں، اگر اس وقت یہاں فاروق موجود ہوتا تو جھٹ بول اٹھتا۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" آصف مسکرایا۔

"ریاض کس قدر بدنصیب ہے۔ بیٹھے بٹھائے قاتل بن بیٹھا۔ بھلا اسے کیا پڑی تھی۔ ایسا کرنے کی۔ دولت تو پہلے ہی ہاتھوں سے جا چکی تھی۔ ماجد تارا کو موت کے گھاٹ اتارنے سے بھی ان لوگوں کو دولت ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کیا وہ اتنی سی بات بھی نہیں سوچ سکا۔"

"اگر سوچ سکتا تو پھانسی کے پھندے کو گلے کیوں لگاتا۔" فرحت بولی۔

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ ریاض کبیر کا چہرہ نظروں کے سامنے

گھومنے لگا۔ دوسرے دن صبح وہ عدالت میں موجود تھے۔ لیکن انسپکٹر کامران مرزا کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ریاض کبیر کو کٹہرے میں لایا گیا۔ سرکاری وکیل نے اسے مجرم ثابت کرنے کے سلسلے میں ابتدائی تقریر کی۔ ریاض کے وکیل نے جوابی تقریر کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا موکل قاتل نہیں ہے۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہیں، لیکن سرکاری وکیل کا کہنا تھا کہ مجرم کے خلاف ان کے پاس ٹھوس ثبوت ہیں۔ یہ صرف ابتدائی کارروائی تھی۔ عدالت کو صرف یہ فیصلہ سنانا تھا کہ ملزم کے خلاف عدالتی کارروائی شروع کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ سرکاری وکیل کے دلائل سننے کے بعد آخر عدالت نے ملزم کے خلاف فیصلہ دیا۔ اسے جیل بھیج دیا گیا اور باقاعدہ کارروائی کی اجازت دے دی گئی۔ وہ اس ساری کارروائی کو ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ عدالت میں کسی اور ملزم کو پکارا گیا۔ اب وہ وہاں بیٹھ کر کیا کرتے۔ باہر نکل آئے۔

"حیرت ہے۔ ابا جان کہاں رہ گئے؟" آفتاب بڑبڑایا۔

"کہیں نہ کہیں ضرور رہ گئے۔ ورنہ یہاں ضرور موجود ہوتے۔" فرحت مسکرائی۔

"کمال کرتی ہو۔ میں پہلے ہی بُری طرح [illegible]" آفتاب کہا

رہا ہوں۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"تمہارے کان کوئی رس گلے نہیں ہیں اور ہاں۔ پیچ وتاب کھانے سے پیٹ میں مروڑ پیدا ہوتے ہیں۔" فرحت بولی۔

"آج کل ڈاکٹری تو نہیں کر رہیں۔" آفتاب جل کر بولا۔

"بات ہے عجیب۔ انکل کو یہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔" آصف نے ان کی بحث ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

"بالکل۔ یہی میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ فرحت ہے کہ ہر بات کو مذاق میں اڑائے جا رہی ہے۔" آفتاب نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"تم بھی تو ایسا ہی کرتے رہتے ہو۔" فرحت منہ بنا کر بولی۔

"اب جب کہ ریاض کبیر کے خلاف باقاعدہ کیس چلانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ ابا جان اس کے لیے کیا کر سکیں گے۔" آفتاب بولا۔

اسی وقت انھوں نے عالم کبیر کے گھر کے افراد کو روتے ہوئے حوالات سے نکلتے دیکھا۔ ادھر انھوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ وہ رک گئے۔

"کہاں رہ گئے انسپکٹر صاحب۔ وہ تو کہہ رہے تھے۔ بچے کو چھڑا لیں گے۔"

"شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، ورنہ یہاں ضرور آتے۔" آفتاب بولا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔" وہ بولیں اور سب ان کے پاس سے گزر گئے۔

"اس کیس نے تو ہمیں بری طرح غمگین کر دیا۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"شاید اس لیے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی وجہ کے ہوا۔ دنیا میں سبھی قسم کے دوست ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ انہیں آزمایا جائے۔ یا آزمانے کے لیے انتہائی خطرناک قدم اٹھایا جائے۔ معقول طریقے سے بھی آزمایا جا سکتا ہے۔"

"آؤ اب چلیں۔ بھلا یہاں کیا کام۔"

جونہی وہ گھر پہنچے۔ فون کی گھنٹی سنائی دی۔ شہناز بیگم نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور پھر آفتاب کی طرف بڑھا دیا۔

"تمہارے ابا جان کا فون ہے۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور ریسیور کان سے لگاتے ہوئے بولا۔

"السلام علیکم ابا جان۔"

"[illegible] کی سنوائی کے بعد تم گھر پہنچ گئے۔"

"اور کیا کرتے ابّا جان۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب تم (ذرا) ماجد تارا کے گھر آ جاؤ۔"

"جی۔ وہ کس لیے۔ اور کیا آپ وہاں سے ہی بول رہے ہیں؟"

"نہیں۔ ابھی تو میں دفتر میں ہوں۔ لیکن جلد ہی ماجد تارا کے ہاں پہنچنے والا ہوں۔ تم لوگ بھی آ جاؤ۔"

"لیکن کیوں ابّا جان۔"

"ان لوگوں کو بتانا ہے کہ میں نے ان کی تحریروں کے ذریعے ریاض کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"اس بات پر تو ہم بھی حیران ہیں۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"اسی لیے تو تم لوگوں کو بھی بلا رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"جی بہتر۔ ہم آ رہے ہیں۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھنے کے بعد ان سے بولا:

"چلو بھئی۔ ہمیں ماجد تارا کے گھر پہنچنا ہے۔" اس نے کہا اور فون کی گفتگو سنا دی۔ تینوں فوراً ہی گھر سے نکل پڑے۔ ماجد تارا کے دروازے پر دستک دی تو ملازم نے دروازہ کھولا اور انھیں دیکھ کر چونک پڑا۔

"معاف کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو چونکا دیا۔" آفتاب بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر حیرت سی ہوئی تھی کہ اب تو معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ ہاں، اس پر ہم سب کو ضرور حیرت ہے کہ انسپکٹر کامران مرزا صاحب نے ہم سے تحریریں بھی لکھوائیں اور ریاض کو رہا کرانے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"آپ لوگ بھی کیا۔ اس پر تو ہم بھی حیران ہیں۔ ابّا جان بھی بتانے کے لیے یہاں آ رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں ہم حاضر ہوئے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔ یہ تو واقعی اچھی بات ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے۔ یہ اتنی بھی اچھی بات نہیں ہے۔" آفتاب بول پڑا۔

"جی۔ جی۔ کیا مطلب۔" وہ حیران ہو کر بولا۔

"[illegible]۔ کیا مطلب۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"سمجھ لیجیے۔ ان صاحب کی [illegible] سے [illegible] بتا رہی ہیں۔" فرحت نے کہا۔ آفتاب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ پھر بولا:

"[illegible]"

کرتی رہتی ہیں، لیکن ہر بار منہ کی کھاتی ہیں۔"

حامد مسکرا کر رہ گیا۔ انہیں اندر لے آیا۔ عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔ اور کون آگیا۔

"آپ لوگ بیٹھیے۔ میں دیکھتا ہوں۔"

"مجبوری ہے۔ آپ کو ہی دیکھنا پڑے گا۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"جی۔ کیا مطلب۔" حامد نے چونک کر کہا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ۔" فرحت نے کہنا چاہا، لیکن حامد نے بات کاٹ دی:

"اوہ اچھا۔ میں سمجھ گیا۔" یہ کہتے ہی وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

قدموں کی آواز سن کر انہوں نے سر اوپر اٹھائے۔ اور یہ دیکھ کر انہیں قدرے حیرت ہوئی کہ عالم کبیر کے گھر والے اندر داخل ہو رہے تھے۔

"آپ لوگ۔ آئیے تشریف لائیے۔ آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیا ہم یہاں نہیں آ سکتے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ خوشی سے آ سکتے ہیں۔" فرحت جلدی

سے بولی۔ عین اسی وقت ایک بار پھر گھنٹی بجی۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا:

"یا اللہ رحم۔ اب اور کون آگیا۔"

"آپ کیوں گھبرا رہے ہیں۔ ہمارا ڈرائنگ روم کافی بڑا ہے۔" حامد نے مسکرا کر کہا اور پھر باہر نکل گیا۔

اس بار وکیل اختر ندیم اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب اندر نظر آئے۔

"اختر ندیم صاحب سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ یہ جواد بھوٹانی ہیں۔ جو کسی زمانے میں عالم کبیر کے وکیل تھے اور انہوں نے ہی ان کی جائیداد ہمارے والد کے نام منتقل کرائی تھی۔"

"اوہ اچھا۔"

انہیں یاد آگیا۔ جواد بھوٹانی کا ذکر آیا تھا، لیکن وہ ان سے ملاقات نہیں کر سکے تھے۔ دونوں حیرت زدہ بیٹھ گئے۔

"آپ لوگ کیوں حیران ہیں؟"

"یہاں جمع کیے جانے پر۔" جواد بھوٹانی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

اسی وقت گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ اس بار انداز انسپکٹر کامران مرزا کا تھا۔ ان کے چہروں پر رونق دوڑ گئی۔ حامد کو ایک

بلد پھر باہر جانا پڑا۔ انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ انہیں ولسن برادرز بھی آتے نظر آئے۔

"خدا کا شکر ہے ابّا جان۔ آپ تشریف لائے۔ ہم تو پریشان ہو گئے تھے۔"

"بھئی صرف اپنی بات کرو۔ کم از کم میں تو ہرگز پریشان نہیں تھا اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ فرحت بھی پریشان نہیں تھی، کیوں فرحت۔" آصف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل بھی نہیں۔ پریشانی کی یہاں کیا بات ہے۔" فرحت نے کہا۔

"اچھا اچھا نہیں ہو گے تم دونوں پریشان۔ میں اکیلا ہی پریشان بھلا۔" اس نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

"حاضرین۔ میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ جواد جوٹانی بول اٹھا:

"لیکن۔ آپ نے ہمیں یہاں جمع کس لیے کیا ہے۔"

"ایک اہم بات بتانے کے لیے۔" وہ بولے۔

"جی کیا کہا۔ اہم بات بتانے کے لیے۔ لیکن اہم بات تو فون پر بھی بتائی جا سکتی تھی۔"

"جی نہیں۔ جو مرزا صاحب کی موجودگی میں بتا کر آئے گا۔

وہ فون پر ہرگز نہیں آسکتی تھی اور وہ بات یہ ہے کہ پولیس

ریاض کبیر کو رہا کر رہی ہے۔"

"جی۔ جی کیا مطلب۔" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"جی ہاں۔ بھئی شاہد۔ ریاض صاحب کو بھی اندر لے آؤ۔" انھوں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

فوراً ہی شاہد، ریاض کبیر کو لیے اندر داخل ہوا، انھوں نے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں اب ہتھکڑیاں نہیں تھیں۔

کمرے میں ایک عجیب سی بے چینی پھیل گئی۔

کہانی سُنیے

"یہ کیا چکر ہے۔ ریاض کو کس طرح رہا کرایا گیا۔" اختر ندیم حیران ہو کر بولا۔

"بہت آسانی سے۔ ان کی رہائی کے لیے میں نے کوشش کی اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اگر یہ رہا نہ ہوتے تو ایک پورا خاندان تباہ ہو جاتا۔ ان کے گھر والے کہیں کے نہ رہ جاتے۔"

"تو کیا یہ سچ ہے۔ پولیس نے میرے بیٹے کو رہا کر دیا ہے۔" بیگم عالم کبیر نے چلا کر کہا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔"

"لیکن۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پولیس کسی قاتل کو کس طرح رہا کر سکتی ہے۔" جواد جھوٹانی نے منہ بنایا۔ حامد تارا اور دوسرے بھی کچھ کم حیران نہیں تھے۔

"بس دیکھ لیجیے۔ یہ آپ لوگوں کے سامنے بیٹھے ہیں۔"

"ابھی جب میں آپ کو پوری کہانی سناؤں گا۔ تو آپ لوگ جان جائیں گے، پولیس ایک قاتل کو کس طرح رہا کر سکتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"شاید یہ کہانی۔ ہماری زندگی کی حیرت انگیز ترین کہانی ہو گی۔" اختر ندیم نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن کم از کم یہ کہانی میرے لیے حیرت انگیز ترین نہیں ہے۔ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں کہ آدمی دھک سے رہ جاتا ہے۔ خیر میں اب آپ کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔ لیجیے۔ کہانی سُنیے۔" یہاں تک کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے رُکے، سب پر ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے۔

"یہ کہانی دو دوستوں کی کہانی ہے۔ وہ بہت گہرے دوست تھے۔ ان کے نام اجمل خان اور شریف دین تھے۔ ایک دُور دراز اور چھوٹے سے شہر کالا شہر میں رہتے تھے۔ شریف دین مال دار تھا اور اجمل خان غریب؛ تاہم دونوں ہر وقت ساتھ رہتے۔ جہاں جاتے، ساتھ جاتے۔ اسی شہر میں ایک پامسٹ بھی رہتا تھا۔ وہ ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے کا ماہر تھا (اور اس علم میں واقعی طاق تھا) ایک روز شریف دین نے اسے اپنا ہاتھ دکھایا۔ پامسٹ کا نام جمال الدین

دیکھ کر اس نے بتایا کہ اس کا دوست وفادار نہیں ہے۔
شریف دین کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔ میں
نہیں مانتا، میرا دوست تو بہت وفادار ہے۔ اس پر
پامسٹ نے کہا، اگر یہ بات ہے تو دوست کو آزما کر دیکھ
لو۔ اس نے کہا، کیسے آزما کر دیکھ لوں۔ اس پر پامسٹ
نے ایک عجیب ترکیب بتائی۔ اس کی ترکیب پر عمل کرتے
ہوئے شریف دین نے لوہے کا ایک پرانا صندوق لیا۔ اسے
پرانے کھنڈرات میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ پھر اجمل خان
کو بتایا کہ اس نے ایک خواب دیکھا ہے۔ پرانے کھنڈرات میں
ایک خزانہ دفن ہے۔ اجمل خان نے اس کے خواب کی طرف
کوئی توجہ نہ دی، دوسرے دن اس نے پھر خواب دیکھنے کا
ذکر کیا۔ اجمل خان کو حیرت ہوئی، لیکن خزانہ حاصل کرنے
کے سلسلے میں اس نے کوئی دلچسپی نہ لی۔ تیسرے دن شریف
دین نے اور بھی زور شور سے خواب کا ذکر کیا۔ اس نے بتایا
کہ اسے وہ جگہ بھی صاف طور پر دکھائی دی ہے۔ لہذا اب تو
وہ نہیں رک سکتا۔ اجمل خان دلچسپی لینے پر مجبور
ہو گیا اور ایک رات دونوں کسی لے کر کھنڈرات میں پہنچ
گئے۔ شریف دین کو تو جگہ معلوم ہی تھی۔ لہذا اس نے وہاں
سے کھودنا شروع کیا۔ اس نے کئی بار کسی اجمل خان کو بھی

دی۔ دونوں کھودتے رہے۔ جب شریف دین نے دیکھا کہ اب
کھدائی صندوق تک پہنچنے ہی والی ہے تو اس نے کسی اجمل خان
کو دے دی۔ اجمل خان نے کھدائی شروع کی اور جونہی کسی
صندوق سے ٹکرائی، وہ چونک اٹھا۔ ہاتھوں سے مٹی ہٹائی تو
صندوق نظر آیا۔ وہ فوراً گڑھے سے نکل آیا۔ نیت میں پہلے
ہی فتور تھا۔ خنجر ساتھ لایا تھا۔ اس نے شریف دین کو بتایا
کہ نیچے ایک صندوق موجود ہے۔ شریف دین سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ جونہی وہ جھک کر دیکھے گا۔ اجمل خان خنجر اس
کی کمر میں گھونپ دے گا۔ اس نے تو یہ سب کچھ اپنے دوست
کو آزمانے کے لیے کیا تھا کہ دیکھیں۔ دولت دیکھ کر اس
کی نیت بدلتی ہے یا نہیں۔ خنجر کمر میں لگتے ہی اسے
موت آنکھوں کے سامنے دکھائی دی۔ اور تو کچھ نہ سوجھا۔
گرتا پڑتا گھر کی طرف چلا گیا۔ ادھر اجمل خان نے جب
صندوق کھولا تو اس میں پتھر بھرے ہوئے تھے۔ اس کے
پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے لالچ میں آ کر اپنے
دوست کو قتل کر دیا تھا۔ گڑھے کو جلدی جلدی مٹی سے پُر
کیا اور اوپر تک مٹی چڑھا دی۔ یہاں تک کہ وہ جگہ
ٹیلا سا بن گئی۔ اس کام سے فارغ ہو کر گھر آ گیا۔
اسے پولیس کا ڈر تھا۔ خنجر پر اس کی انگلیوں کے نشانات

موجود تھے ـ خنجر کمر سے نکال لینے کا خیال بھی اسے نہیں
رہا تھا ـ لہٰذا پولیس کو تو اس کے پاس آنا ہی تھا ـ لیکن
پولیس نہیں آئی ـ اسے صرف یہ اطلاع ملی کہ اس کے دوست
کو کسی نے قتل کر دیا ہے ـ چنانچہ وہ مصنوعی آنسو بہاتا دوست
کے جنازے میں شریک ہو گیا ـ اسے حیرت تھی ـ پولیس نے
خنجر پر سے اُنگلیوں کے نشانات کیوں نہیں اٹھائے ـ لیکن
اسے کیا معلوم تھا ـ شریف دین نے اپنے بیٹے عالم کبیر کو
مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے قتل کا انتقام وہ خود
اجمل خان سے لے اور پولیس کو اس کا نام ہرگز نہ بتائے ـ
عالم کبیر نے ہی خنجر پر سے اُنگلیوں کے نشانات مٹائے تھے،
لہٰذا پولیس کس طرح اجمل خان کو گرفتار کرتی ـ اس طرح وہ
گرفتاری سے بچ گیا ـ ادھر عالم کبیر بُزدل واقع ہوا تھا ـ
اس نے کئی بار اجمل خان کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ
کیا، لیکن ہر بار ہمت جواب دے گئی ـ یہاں تک کہ
اجمل خان قدرتی موت مر گیا ـ لیکن ـ ابھی قاتل کی اولاد
موجود تھی اور عالم کبیر ان سے انتقام لے سکتا تھا ـ ادھر
اجمل خان کی اولاد کو کچھ معلوم نہیں تھا ـ وہ روزگار کی تلاش
میں دارالحکومت میں آ گئے ـ اب عالم کبیر کو بھی یہاں
آنا پڑا ـ عالم کبیر کا کاروبار ترقی کرتا گیا ـ ادھر ماجد تارا

قریب ہی رہا ـ اپنی بُزدلی کی وجہ سے عالم کبیر ماجد تارا کو
قتل نہ کر سکا ـ ہر بار اس کی ہمت جواب دیتی رہی ـ
آخر اس نے ایک ہی انوکھی ترکیب سوچی ـ انتقام
لینے کی اس سے عجیب ترکیب شاید آج تک کسی نے نہ
سوچی ہو گی ـ جب اس نے دیکھا ـ اس کی موت قریب
ہے ـ تو اس نے وکیل کو بلوا کر خفیہ طور پر اپنی وصیت
لکھوا دی ـ اور اپنی تمام دولت اور جائیداد کا مالک ماجد تارا
کو بنا دیا ـ بیوی بچوں کے لیے ایک چھوٹا سا
مکان چھوڑا ـ اور دل کے دورے کی وجہ سے مر گیا ـ اس
کے مرنے کے بعد وکیل نے جائیداد ماجد تارا کے نام کیے
جانے کی خبر سنائی تو ان پر بجلی گری ـ اس سے پہلے
عالم کبیر ماجد تارا کو دھمکی آمیز خط لکھتا رہا تھا ـ یہ خطوط
اس نے بائیں ہاتھ سے لکھے ـ ماجد تارا کو کچھ معلوم نہیں
تھا کہ اس کا باپ ایک قاتل تھا ـ یا جو شخص اس سے انتقام
لینا چاہتا ہے ـ وہ کس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے ـ وہ
ان خطوط سے پریشان ضرور ہوتا تھا، لیکن ڈرا نہیں ـ
ایک دن اسے بیٹھے بٹھائے جائیداد مل گئی ـ اس کی حیرت
کی کوئی انتہا نہ رہی ـ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ عالم کبیر
اس کے باپ کے دوست کا بیٹا ہے ـ اور بس ـ

معلوم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے بہت حیرت ہوئی،
لیکن چونکہ اس نے دولت نہیں دیکھی تھی اور ایک عرصے
سے غربت کی چکی میں پستا رہا تھا، اس غربت نے اسے
اور اس کی اولاد کو لالچی بنا دیا تھا۔ لہذا اس نے ایک
بار بھی کوشش نہیں کی کہ اس دولت کو ان کے اصل
حق داروں کے حوالے کر دے۔ خود اس پر قابض ہو گیا
اور خوب دولت اڑانے لگا۔ ہر ماہ لوگوں کو دعوتیں دینے
لگا، ان دعوتوں میں وہ عالم کبیر کے گھر والوں کو بھی بلاتا
تھا۔ تاکہ وہ اور بھی جلیں بھنیں۔ ادھر عالم کبیر کے
بیوی بچوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ یہ بات ان کی
سمجھ میں کسی طرح نہیں آ رہی تھی کہ عالم کبیر نے اپنی ساری
دولت ان کے نام کرنے کی بجائے ماجد تارا کے نام کیوں
کر دی۔ اس نے اپنی اولاد کو انتقام کی یہ کہانی نہیں
سنائی تھی۔ ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔ اور جائیداد ملنے
کے صرف چھ ماہ بعد ماجد تارا کو قتل کر دیا گیا۔ گویا عالم کبیر
نے مرنے کے بعد بھی انتقام لے لیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب
ہو گیا۔

اب سوال پیدا ہوا کہ قاتل کون ہے۔ خنجر پر انگلیوں
کے نشانات نہیں تھے۔ کوئی اور سراغ بھی نہ مل سکا۔

کیونکہ قتل دعوت کے دوران کیا گیا تھا۔ قاتل کے قدموں
کے نشانات بھی حاصل نہیں کیے جا سکے۔ لہذا تفتیش شروع
کی گئی۔ دھمکی آمیز خطوط سامنے آئے تو پتا چلا۔ کوئی شخص ماجد
تارا سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اب صرف ایک ہی گھرانا
ایسا تھا جو ماجد تارا کا دشمن ہو سکتا تھا، یعنی عالم کبیر کا گھرانہ۔
چنانچہ اسے بھی چیک کیا گیا۔ پھر ہم کالا شہر بھی گئے۔ وہاں
ایک قتل کی کہانی سامنے آئی۔ اس پامسٹ سے ملاقات ہوئی،
جو اب پاگل ہے۔ لیکن پاگل پن کے باوجود اس سے کافی
باتیں معلوم ہوئیں۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ دس سال پہلے عالم
کبیر کا باپ شریف دین اپنے دوست اجمل خان کے ہاتھوں
مارا گیا اور اسی اجمل خان کا بیٹا ماجد تارا تھا۔ لیکن یہاں
الجھن یہ آ پڑی کہ عالم کبیر تو ماجد تارا کا دشمن تھا۔ اس سے
باپ کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ پھر اس نے اپنی دولت کیوں
اس کے نام کر دی۔ یہی اس کیس کی سب سے بڑی الجھن
تھی اور اس سوال نے بہت پریشان کیا، لیکن ہماری پولیس
یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گئی کہ عالم کبیر نے اپنی
دولت ماجد تارا کے نام اس لیے کر دی۔ تاکہ اس کی
اولاد غصے میں آ کر ماجد تارا کو ہلاک کر دے اور اس
کا انتقام پورا ہو جائے۔ اور اس طرح ریاض کبیر کو

گرفتار کر لیا گیا۔ کیونکہ ان کا حلیہ اس نوجوان سے ملتا جلتا
ہے جو خنجر خریدنے کے لیے ولسن برادرز کی دکان میں گیا۔
اس بنیاد پر اور جائیداد ماجد تارا کے قبضے میں چلے
جانے کی بنیاد پر ریاض کبیر کو گرفتار کر لیا گیا۔
معاملہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ قاتل ہو بھی کون سکتا
تھا۔ ایسے میں میں نے ماجد تارا کے گھر کے افراد کو مجبور
کیا کہ وہ ریاض کبیر کو معاف کر دیں۔ تو شاید قانون
بھی اس سے نرم سلوک کرے۔ انہوں نے معافی کی تحریریں
لکھ دیں۔ چنانچہ اب ریاض کبیر آپ لوگوں کے سامنے
موجود ہے۔"

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔
کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کی
طرف دیکھ رہا تھا۔

○

خاموشی کے لمحات جب طویل ہو گئے تو آصف سے رہا
نہ گیا، بول اٹھا:
"حضرت ... کیا آپ نے یہی کہانی سنانے کے لیے سب

کو یہاں جمع کیا تھا؟"
"ہاں اور کیا۔ کیا یہ کم کامیابی ہے کہ میں ریاض کبیر
کو رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا
بولے۔
"ہاں واقعی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" وکیل احمد ندیم
بول اٹھا۔
"ہمیں بھی اس پر خوشی ہے اور ہم ریاض کبیر کو مبارک باد
دیتے ہیں۔" ماجد تارا نے کہا۔
"میں آپ سب لوگوں کا شکر گزار ہوں۔" ریاض کبیر نے
خوش ہو کر کہا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ رونق
تھی۔
"کامیابی میں نے ہی نہیں۔ ریاض کبیر صاحب نے بھی
حاصل کی ہے۔ قتل کے جرم سے بری ہو جانا کامیابی نہیں
تو اور کیا ہے۔ بلکہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور کامیابی ماجد
تارا کے گھر کے افراد نے بھی حاصل کی ہے۔ معافی لکھ کر۔
انہوں نے بھی بہت عظمت کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہ بھی ایک
بہت بڑی کامیابی ہے۔ کامیابی ہم نے بھی حاصل کی۔ اس
کیس کی تہہ تک پہنچ کر۔ ناکام تو اس پورے کیس میں بس
ایک آدمی رہا ہے اور اصل کامیابی صرف ایک آدمی نے

حاصل کی ہے۔ وہ ایک آدمی اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہا۔ اور دوسرا اپنے مقصد میں پوری طرح ناکام رہا۔" انسپکٹر کامران مرزا کا لہجہ عجیب ہوگیا۔

"جی۔ کیا مطلب!" آصف نے چونک کر کہا۔ آفتاب اور فرحت بھی انہیں گھورنے لگے۔ باقی لوگوں کے چہروں پر بھی حیرت کے بادل نظر آئے۔
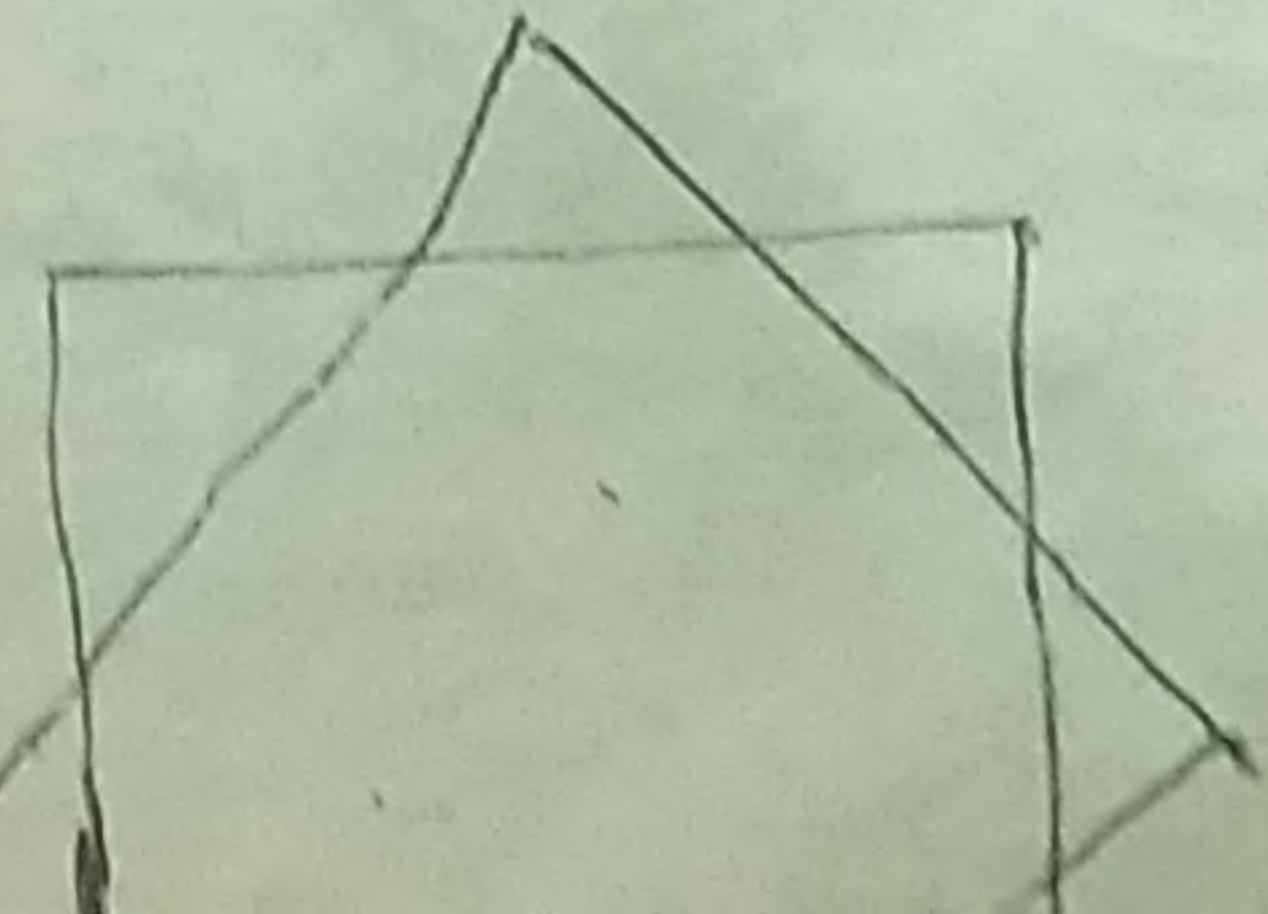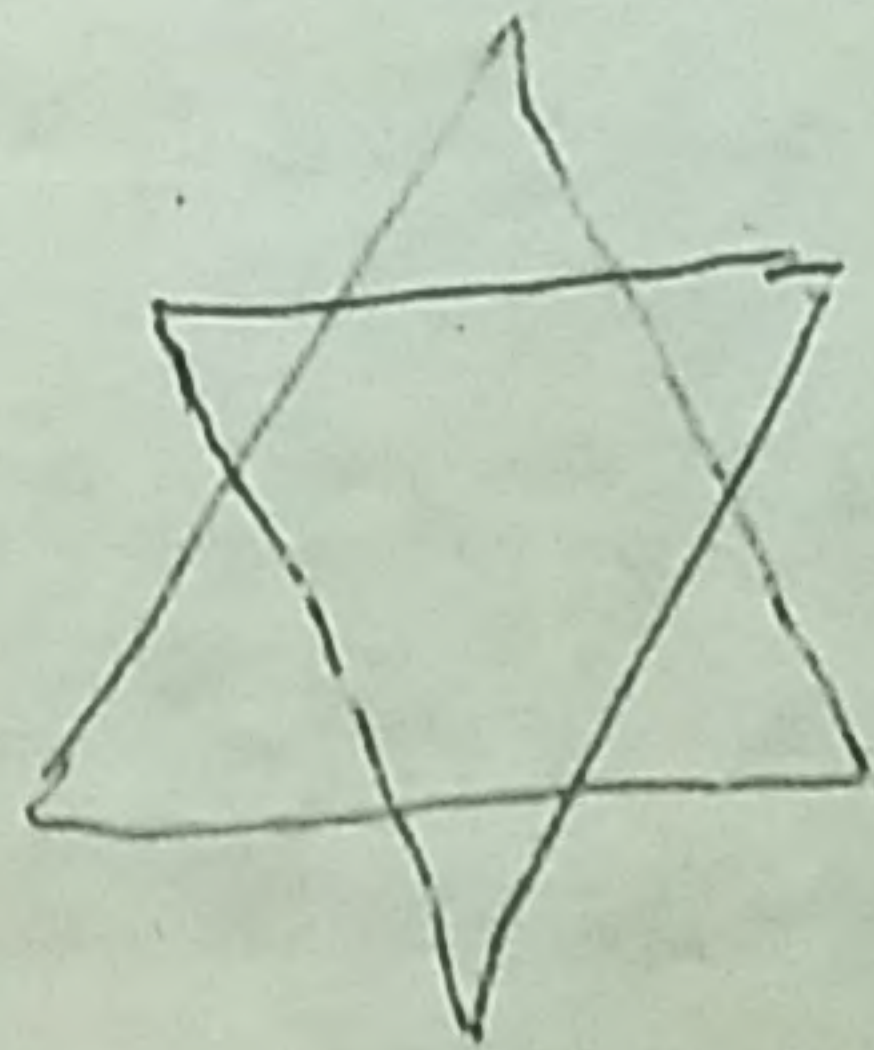
ثبوت پیش ہے

انسپکٹر کامران مرزا نے کوئی جواب نہ دیا۔ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے سب کی طرف دیکھتے رہے۔ آفتاب، آصف اور فرحت کی بے چینی کا کیا پوچھنا:

"جی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ابا جان؟"

"یہی کہ وہ شخص بری طرح ناکام ہوگیا۔ جو خود کو اب تک کامیاب سمجھ رہا ہے۔ اس کا منصوبہ بالکل ناکام ہوگیا۔"

"آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے؟"

"قاتل کی طرف۔" انہوں نے کہا۔

"جی کیا فرمایا۔ قاتل کی طرف۔ یعنی مسٹر ریاض کبیر کی طرف۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔ ریاض کبیر کی طرف کیوں ہونے لگا اشارہ۔" وہ بولے۔

"لیکن قاتل تو یہی ہیں۔"

"غلط۔ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ یہ بے چارے تو سرے سے بے گناہ ہیں۔"

"کیا فرمایا۔ سرے سے بے گناہ ہیں۔ قاتل کون ہے؟" جواد بھوٹانی نے بھاڑ سا منہ کھولا۔

"ہاں۔ یہ قاتل نہیں ہیں۔ البتہ قاتل اپنی اس کوشش میں کچھ دیر کے لیے کامیاب ہو گیا تھا کہ ان کی بجائے یہ گرفتار ہوں۔ اور اُن پر کوئی شک نہ کر سکے۔ لیکن قاتل ایک بات بھول گیا۔ اور وہ بات تم تینوں بھی بھول گئے۔"

"جی۔ کون سی بات؟" فرحت حیرت زدہ سی بولی۔

"تم بھی آخر سراغرساں ہو۔ خود سوچو۔ کون سی بات؟" وہ بولے۔

"انکل۔ آپ ہمیں بے چین کیے دے رہے ہیں جناب؟" اختر ندیم بولا۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ دراصل اس کیس میں ہم خود بھی بہت بے چین رہے۔ یہ بات سوچتے سوچتے دماغ ہل گئے کہ عالم کبیر نے اپنی دولت ماجد تارا کے نام کیوں کر دی۔ اور اسی سوال کے جواب میں پورے کیس کا راز چھپا ہوا تھا۔ یہ

بات کسی طرح میرے حلق سے نہیں اُتر رہی تھی کہ عالم کبیر نے اس لیے اپنی دولت ماجد تارا کے نام کر دی کہ اس کی اولاد غصے میں آ کر ماجد تارا کا کام تمام کر دے۔ اس طرح کوئی شخص بھلا اپنی اولاد کو جہنم میں دھکیل سکتا ہے۔ عالم کبیر کو تو اچھی طرح اندازہ تھا کہ جس طرح وہ بزدل ہے۔ اسی طرح اس کی اولاد اس سے بھی زیادہ بزدل ہے، لہذا وہ قتل جیسا خوفناک جرم کر ہی نہیں سکتے۔ اگر اسے ذرا بھی یہ گمان ہوتا کہ اس کی اولاد ماجد تارا کو غصے میں آ کر مار ڈالے گی تو کبھی دولت اس کے نام نہ کرتا۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"۔ اس نے دولت ماجد تارا کے نام کیوں کی؟" فرحت نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

اس وقت مارے بے چینی کے سب لوگوں کا بُرا حال تھا۔ کیس نے اس وقت پھر سب کو بُری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ابھی سب کو یہ معلوم تھا کہ کیس ختم ہو گیا۔ لیکن اب پورا کیس پھر ایک سوال بن کر ان کے سامنے تھا۔ اور حیرت ان سے سمیٹے نہیں سمٹ رہی تھی۔

"عالم کبیر نے دس سال شدید اُلجھن کے عالم میں گزارے۔

حالات اور واقعات کا جائزہ لیا۔ اپنا، اپنے بچوں کا مطالعہ کیا،
ماجد تارا اور اس کے بچوں کو بغور دیکھا، بھالا۔ انہیں جانچا۔
اور پھر آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ باپ سے کیا ہوا وعدہ
پورا کرنے کی بس ایک ہی ترکیب ہے۔ ماجد تارا سے
انتقام لینے کا ایک ہی راستہ ہے۔ کہ اپنی ساری
دولت اس کے نام کر دی جائے اور اپنے بچوں کو محروم
کر دیا جائے۔ دولت میں کھیل کر ماجد تارا اور اس
کے بچے تباہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔
اور غربت کی چکی میں پس کر اس کے بچے کندن بن جائیں
گے۔ اس نے ٹھیک ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس کے اندازے
غلط نہیں نکلے۔ دولت کا زہر ماجد تارا کے خاندان میں
سرایت کر گیا۔ اور اسی زہر نے ماجد تارا کو ہلاک کر دیا،
وہ مرنے کے بعد بھی انتقام لینے میں کامیاب ہو گیا۔"
انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔
"لیکن ابا جان۔ ماجد تارا کو خنجر سے ہلاک کیا گیا
ہے۔ زہر سے نہیں۔" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔
"ہاں۔ میں نے صرف زہر کا لفظ استعمال نہیں کیا۔
دولت کا زہر کہا ہے۔ ماجد تارا کو دراصل دولت کا زہر لے
بیٹھا۔ اور یہی عالم کبیر نے سوچا تھا۔ کہ جو کام اس کی بزدلی

کی وجہ سے نہیں ہو سکا۔ وہی کام دولت کا لالچ کر دکھائے
گا۔"
"جی۔ کیا مطلب۔"
"مطلب یہ ہے۔ حامد تارا سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ صبر
سے باپ کے مرنے کا انتظار بھی نہ کر سکا۔ پوری دولت
کا مالک فوری طور پر بننے کے لیے اس نے باپ کو قتل
کر دیا۔"
"نہیں!" اس کی چیخ بہت بلند تھی۔ اس کے ساتھ عالم
کبیر اور ماجد تارا کے گھر کے لوگ بھی چیخے تھے۔
ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔ صرف ایک چہرے
پر حیرت کی بجائے خوف کا عالم طاری تھا۔ خوف کا
ایسا عالم انہوں نے اپنی زندگی میں بہت کم موقعوں پر
دیکھا تھا۔

○

پھر کتنے ہی لمحے خاموشی کے گزر گئے۔ وہ اپنے دلوں
کی دھڑکنیں صاف سنتے رہے۔ آخر بیگم ماجد تارا کی تھرتھر
کانپتی آواز نے خاموشی کے سینے پر کاری چوٹ لگائی:

"نن — نن — نہیں — نہیں — یہ غلط ہے — یہ نہیں ہو سکتا، میرا بچہ اپنے باپ کو ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے — آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنا ہی ہو گا۔"

"نہیں — نہیں — یہ غلط ہے — بالکل غلط — آخر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرا بیٹا قاتل ہے۔" بیگم ماجد تارا نے چیخ کر کہا —

"ثبوت — ثبوت — آپ اپنے بیٹے کے چہرے پر دیکھیے۔ یہ کیوں اس قدر خوف زدہ نظر آ رہا ہے — تھوڑی دیر پہلے تو ایسا نہیں تھا — یہ بہت خوش تھا — اب اسے کیا ہو گیا ہے —"

"لل — لیکن یہ تو کوئی ثبوت نہیں ہوا۔"

"اگر یہ کوئی ثبوت نہیں ہوا تو ہم اور ثبوت پیش کر دیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"تو کیجیے نا —" بیگم ماجد تارا کاٹ کھانے والے لہجے میں بولیں —

"آفتاب — ثبوت پیش کرو"

"جج — جی — کیا فرمایا — میں ثبوت پیش کروں۔" آفتاب ہکلایا۔

"ہاں تو اور کون کرے گا۔"

"آ — آصف —" اس نے جلدی سے کہا۔

"اچھا — چلو — آصف — تم دو ثبوت۔"

"لل — لیکن انکل — میں ثبوت کس طرح دوں۔" وہ بوکھلا کر بولا —

"اچھا فرحت — تم دے دو۔" وہ بچوں کے سے لہجے میں بول رہے تھے۔

"مم — میں دے دوں۔"

"ہاں بھئی — اس میں کیا حرج ہے۔"

"مم — میں — کس طرح دوں انکل — میرے تو —"

"چھوڑیے ابا جان — مجھ سے لیجیے ثبوت۔" آفتاب چہک کر بولا۔

"لیکن ابھی ابھی تو تم ہکلا رہے تھے۔"

"لیکن اب نہیں ہکلا رہا — کہیے — پیش کروں ثبوت۔"

"ہاں — اگر تم کر سکے تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔"

"تو پھر سنیے — ثبوت — یہ بھی واضح کر دوں کہ ثبوت ابھی ابھی میرے ذہن میں آیا ہے — وہ بھی ولسن برادرز کو یہاں دیکھ کر — آخر انہیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی — میں یہی سوچتا رہا — آخر وجہ سمجھ میں آ گئی — انہوں نے خنجر فروخت کرتے وقت خریدار کے دستخط رجسٹر پر کرائے تھے — آپ نے ان لوگوں سے ریاض صاحب کے لیے معافیاں لکھوائیں

اور ان تحریروں کو ان دستخطوں سے ملا کر دیکھا، شاید اس
سلسلے میں کسی ماہر کی خدمات بھی حاصل کی ہوں گی۔ اور
اس طرح حامد تارا کی تحریر ان دستخطوں سے مل گئی —
لہذا آپ نے جان لیا کہ قاتل کون ہے۔ اور اسی لیے آپ
ریاض کبیر صاحب کو رہا کرا لائے۔ کیونکہ یہ تو قاتل تھے ہی
نہیں —"

"بالکل ٹھیک — بلطف خوب — آفتاب — آج تو تم نے کمال
کر دیا — لہذا اب قاتل قانون کے حوالے ہے —" انسپکٹر کامران
مرزا بولے —

کمرے میں سناٹا طاری ہوگیا۔ شاہد ہتھکڑیاں لیے مجرم کی
طرف بڑھا اور اس کے ہاتھوں میں ڈال دیں —

"یوں لگتا ہے — جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو — حالانکہ یہ
کوئی ایسی بات نہیں — جب بھی کوئی جرم کرتا ہے — اُسے
سزا بھگتنا پڑتی ہے — بعض لوگ اس دُنیا میں اگر سزا سے بچ
بھی جائیں تو دوسری دُنیا میں سزا سے نہیں بچ سکتے — اپنے
کیے کی سزا انہیں وہاں بھی مل کر رہے گی — لہذا آپ لوگ
اپنے ہونٹوں پر تالے تو نہ لگائیں — کچھ بولیں — بات کریں —
چہکیں — کیونکہ یہ ہماری بھی شاندار کامیابی ہے —" آفتاب پُرجوش
انداز میں کہتا چلا گیا اور کچھ چہروں پر مسکراہٹیں آ گئیں —

لیکن زیادہ تر چہرے ابھی تک ساکت تھے — اور بیگم ماجد تارا کا چہرہ
تو گویا پتھرا گیا تھا — وہ اس طرح حامد کی طرف دیکھ رہی تھیں
جیسے اب کبھی ان کی آنکھوں میں حرکت پیدا نہیں ہو گی۔

○

بیگم عالم کبیر اپنے بچوں کے ساتھ ناشتے میں مصروف تھیں
کہ دروازے کی گھنٹی بجی — ریاض نے اُٹھ کر دروازہ کھولا اور
دھک سے رہ گیا — وہاں ماجد تارا کی بیوی کھڑی تھی اور ایک
سیاہ کپڑے کے نیچے ان کے ہاتھوں میں کوئی چیز تھی؛

"آپ — یعنی کہ آپ"

"ہاں میں — کیا اندر آنے کے لیے نہیں کہو گے" وہ بولیں

"لیکن — یہ آپ کے ہاتھوں میں کیا ہے؟"

"اندر چل کر ہی بتا سکتی ہوں"

"آئیے — خدا کرے — آپ نیک ارادے سے آئی ہوں"
اس نے کہا اور راستہ دے دیا —

وہ سب کے نزدیک پہنچ گئیں — ان کے چہروں پر بوکھلاہٹ
دوڑ گئی —

"بیٹھئے آنٹی" بیگم عالم کبیر نے بمشکل کہا۔

"میں بیٹھنے کے لیے نہیں آئی۔

"کیا مطلب ۔" وہ چونک کر بولے "آپ کو کچھ دینے آئی ہوں۔"

اب بیگم ماجد تارا نے کپڑا الٹ دیا ۔ انہوں نے دیکھا ۔ ان کے ہاتھوں میں ایک تھالی میں چابیاں، کاغذات، نقدی اور زیورات موجود تھے:

"۔۔ یہ کیا ۔"

"وہی سب کچھ ۔ جو آپ کے شوہر ہمیں دے گئے تھے ۔ لیکن ان چیزوں کے ہمارے گھر میں آنے پر کیا ہوا ۔ میرا شوہر بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا اور اب بیٹا جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے ۔ اگر یہ چیزیں میرے گھر میں رہیں ۔ تو ابھی اور نہ جانے کیا کچھ ہو گا ۔ لہذا یہ سب چیزیں آپ کو مبارک ، میں یہ سب آپ کو لوٹانے آئی ہوں ۔ یہ لیجیے ۔" یہ کہہ کر انہوں نے تھالی ان کے سامنے رکھ دی ۔

"لیکن ۔ ہم ان چیزوں کو کس طرح لے سکتے ہیں ۔ یہ سب کچھ تو آپ کے نام ہو چکا ہے ۔"

"ہو چکا ہو گا ۔ یہ سب کچھ ہے تو آپ کا ہی ۔ ہم اس کے بغیر بھی بھلے ۔ ہم آپ کی کوٹھی خالی کر کے اپنی اسی جھونپڑی میں جا رہے ہیں ۔ خدا حافظ ۔"

اتنا کہا اور جانے کے لیے مڑ گئیں ۔

"ارے ارے ۔ سنیئے تو سہی ۔" وہ بول اٹھے ۔ لیکن وہ نہ رکیں اور گھر سے نکل گئیں ۔

عالم کبیر کے گھر کے افراد ان چیزوں کو اس طرح دیکھ رہے تھے ۔ جیسے وہ کوئی کاٹ کھانے والی چیزیں ہوں ۔ جونہی ان کی طرف کسی نے ہاتھ بڑھایا ۔ وہ کاٹ کھائیں گی +

۱-۹-۲۰۰۱
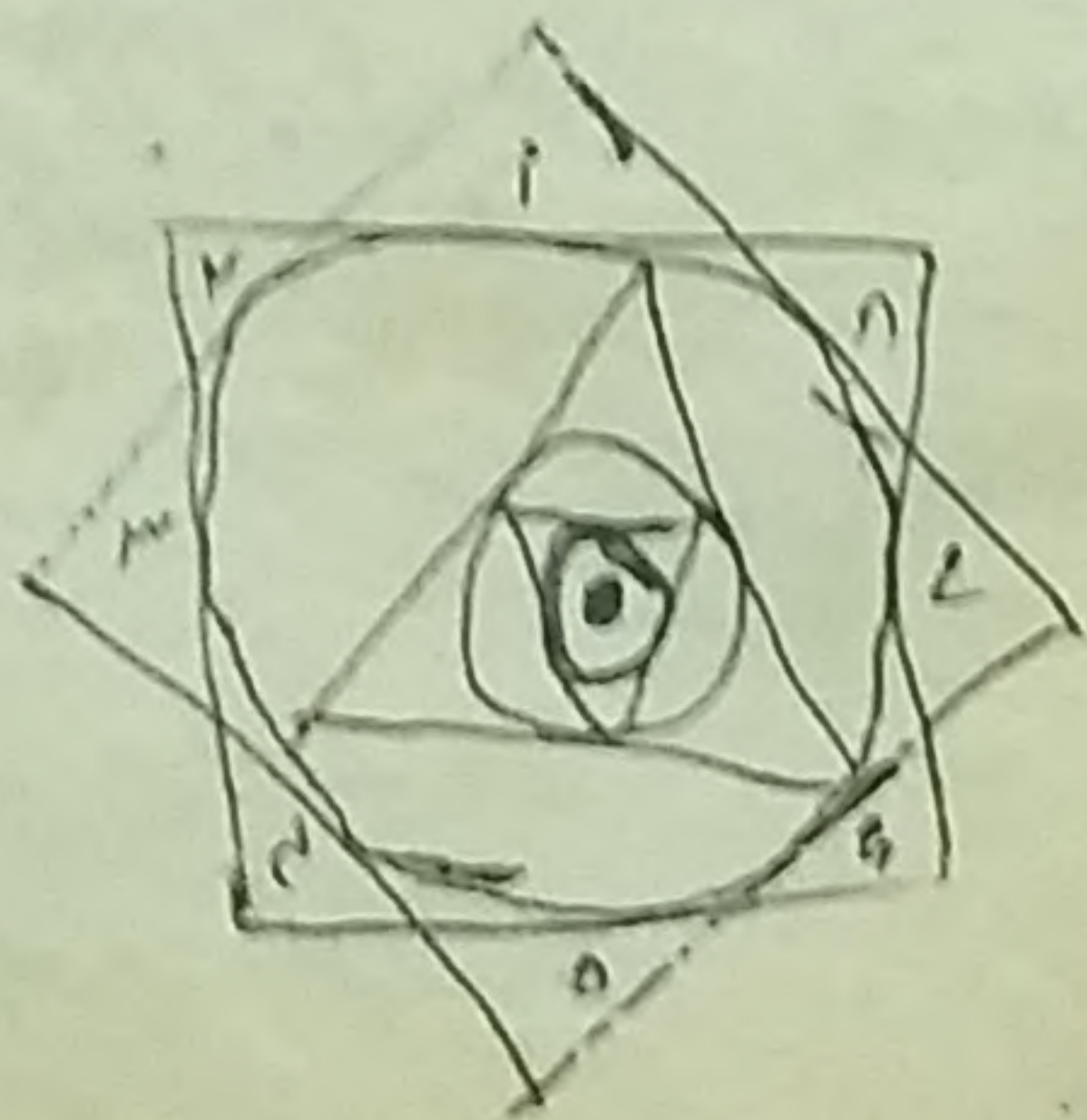
دولت کا زہر

کا انعامی سوال!

س : شان دار کامیابی کس نے حاصل کی؟

درست موصول ہونے والے تمام جوابات کی قرعہ اندازی کی جائے گی اور اس طرح مبلغ ۲۵۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا۔

(ادارہ)

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۰

مصنف : اشتیاق احمد

- انسپکٹر جمشید نے انہیں ایک عجیب و غریب حکم دیا۔
- شمالی پہاڑیوں پر ایک عجیب ہنگامہ۔
- اس ہنگامے میں محمود، فاروق اور فرزانہ بھی شامل ہو گئے۔
- اس سارے ہنگامے کی تہ میں کیا راز کام کر رہا تھا۔
- ایک ایسا راز، جو بہت خوف ناک تھا — آخر میں آپ اچھل پڑیں گے۔

قیمت : ۶ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۱

وادیٔ مرجان

— مصنف : اشتیاق احمد —

- محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس بار ایک نیا پروگرام بنایا۔
- اس پروگرام میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو بھی شامل کیا گیا۔
- یہ پروگرام انہیں وادیٔ مرجان لے گیا۔
- وادیٔ مرجان میں کیا ہو رہا تھا۔ انہیں قدم قدم پر جھٹکے لگے۔
- اور آخر میں ایک خوفناک خطرہ ان کے سر پر آ گیا۔
  لیکن آپ [illegible] ایک ناول میں [illegible]۔

قیمت : [illegible] روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۳۴

سرخ تحریر

— مصنف : اشتیاق احمد —

- بارش کے طوفان نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
- ایسے میں سڑک کے کنارے انہیں ایک آدمی ملا —
- اس کے الفاظ عجیب و غریب تھے۔
- طوفان نے انہیں کن حالات میں الجھایا۔
- دو خوشبوؤں کی کہانی، جو ایک جیسی تھیں —

قیمت : [illegible] روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک :
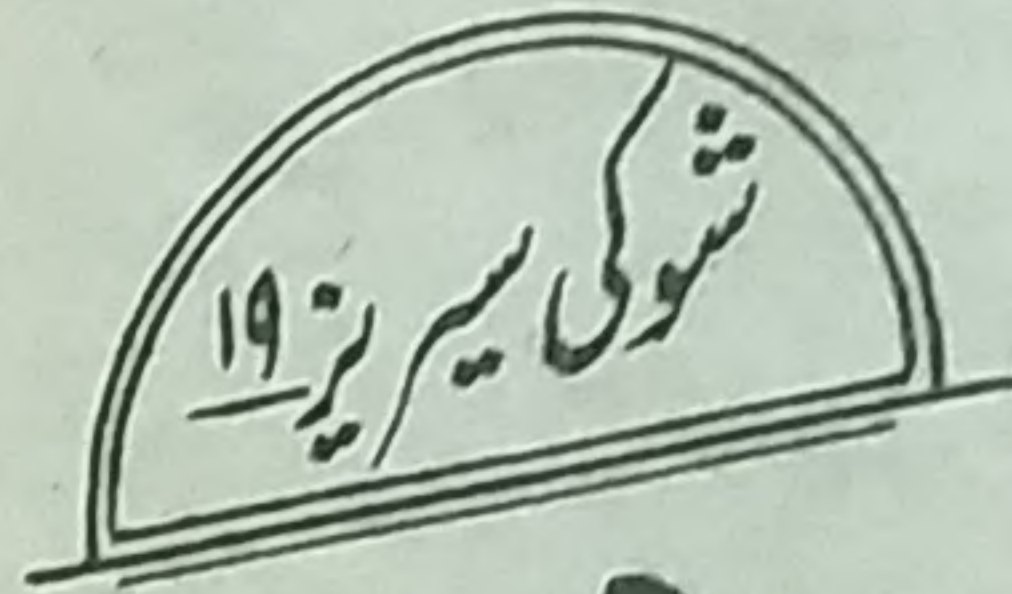
مصنف : اشتیاق احمد

- شوکی برادرز کے پاس ایک پراسرار آدمی کی آمد۔
- وہ شخص بار بار ایک ہی خواب دیکھ رہا تھا۔
- اس کا خواب سُن کر شوکی برادرز کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
- خواب کیا تھا — خواب کی تہہ میں کیا راز کام کر رہا تھا۔
- ایک حیرت بھری کہانی۔

قیمت : چھ روپے

بنٹی کے جلاد کا انعام

جواب یہ تھا :

بنٹی کے گروہ کا ٹھکانا وہ "فلاں مکان" تھا، جس میں تنویر عالم کو بنٹی کا پیغام پہنچانا تھا۔

○

صرف ایک درست جواب موصول ہوا۔

جنید نور صدیقی Y 422-Y 423 کورنگی 1/2 1، کراچی 31

انہیں ۲۵۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے۔

والدین کے خطوط

نوٹ: پہلا خط انعامی قرار پایا — مبلغ ۱۰۰/- روپے کا روانہ کیا جا رہا ہے۔

برادرم اشتیاق احمد، اسلام علیکم —

ناولوں کے ذریعے آپ نے بچوں کے لیے جو چٹخارہ مہیا کیا ہے، بچوں کی ضد پر اس کی کھٹائی اور شیرینی علیحدہ علیحدہ کرنے بیٹھا ہوں اور نہایت غیر جانب داری سے تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

زندگی کے حوالے سے اگر ان ناولوں کو دیکھا جائے تو صاحب، زندگی نہ صرف اپنے دامن میں خوشیاں لے کر آتی ہے، بلکہ اس میں تلخیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ ان تلخیوں سے انسان اپنے حسن عمل سے ہی نبٹ سکتا ہے۔ آپ کے ناولوں میں زندگی کی ان تلخیوں، الجھنوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا عزم ملتا ہے۔ اگر زندگی میں نقطۂ عروج کو دیکھنا ہو تو انسان کو چاہیے، اپنے لیے مسائل پیدا کر لے اور پھر ان مسائل کے حل کے لیے وسائل کی کھوج لگائے۔ یہ چیز آپ کے ناولوں

[illegible]
میں موجود ہے۔ آپ کے ناول زندگی کی الجھنوں میں [illegible] انسان کو بحال رہنے کا عزم دیتے ہیں، لیکن بچوں کی [illegible] ناول کے تعمیری پہلو کو متاثر کرتی ہے۔ میری دعا ہے کہ [illegible] آپ کے جذبۂ حب الوطنی اور نئی نسل کو وسائل سے ہمکنار کرنے کی کوشش کو جاری رکھے۔ فقط:

بشارت جاوید۔ النوید مقبول روڈ اچھرہ، لاہور ۱۶

جناب اشتیاق احمد، السلام علیکم —

آپ کا خط ملا۔ میں نے آپ کی کتابیں پڑھنے کے بعد ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ حقیقتاً بچوں کو بے راہ کرنے میں ان کتابوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ بچوں کے معصوم ذہنوں کو اس قسم کی مصالحہ دار کتابوں کے ذریعے بہت جلد بھٹکایا جا سکتا ہے اور اس میں آپ ۱۰۰ فیصد کامیاب ہیں — لیکن اب کچھ عرصہ سے آپ نے احادیث اور نصیحتوں کا سہارا لینا شروع کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ معصوم ذہنوں پر ان چیزوں کا خاطر خواہ اثر ہونا بہت مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ آپ کی کتابوں سے بچوں میں جاسوس بننے کی بے ہودہ لگن تو پیدا ہو سکتی ہے، لیکن خالد ٹیپو یا جوہر بننے کی لگن کبھی پیدا نہیں ہوگی۔ خدارا اپنا انداز بدلیے اور فرسودہ جاسوسی مواد کی بجائے تعمیری طرز فکر اپنائیے — آپ کے خیال میں آپ کی کتابوں میں شروع کی نصیحت بچوں

پر اثر انداز ہوگی، ہرگز نہیں — ایک دفعہ جب کسی بچے کے ہاتھ میں
کتاب ہوگی، وہ ہرگز اسے ختم کیے بغیر کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گا،
چاہے اس کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

ابھی چند دن پہلے میرا بچہ آپ کی کتاب کے مطالعے میں مصروف
تھا۔ میں نے اس سے تقریباً تین یا چار مرتبہ پانی مانگا، لیکن کتاب
بدستور اس کی آنکھوں کے سامنے رہی اور وہ بمشکل کئی مرتبہ کہنے کے
بعد اٹھ سکا۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں، جن کی وجہ صرف اور
صرف آپ کی بے ہودہ کتب ہیں۔ علاوہ ازیں غریب والدین آپ کی
کتابیں خرید کر دے ہی نہیں سکتے۔ جن کی قیمتیں روز بروز پرواز کرتی
جا رہی ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔

فیروز الدین۔ ۲۳۵ - ای — ڈی مارکیٹ۔ بلاک ۶ F.C.H.S
کراچی ۲۹

اشتیاق بھائی، تسلیم و نیاز —

آپ کے ناول میرے بچے بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔
خود مجھے بھی یہ بہت پسند ہیں۔ پہلے صفحے پر آپ بچوں کے لیے جو
نصیحتیں لکھتے ہیں، وہ بے حد پُر اثر ہوتی ہیں، لیکن بعض اوقات بچے
ناول پڑھنے کے شوق میں ان نصیحتوں کو پسِ پشت ڈالنے کی کوشش
کرتے ہیں؛ تاہم جب میں ان سے کہتی ہوں کہ میں اشتیاق کو لکھتی

ہوں کہ تم ان کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے تو بچے فوراً کہنا مان لیتے
ہیں۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں آپ کا بے حد احترام ہے۔ بچے
کہنا ماننے لگے ہیں۔ ہوم ورک بھی باقاعدگی سے کرتے ہیں — جن لوگوں
کا یہ کہنا ہے کہ اشتیاق احمد کے ناول بچوں کو سکول کی پڑھائی سے
غافل کر دیتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں — اس لیے کہ جہاں تک میرا خیال
ہے، بچوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ ذہنی تفریح اور دلچسپی کا دوسرا
سامان بھی مہیا ہونا ضروری ہے۔ بچے باہر جا کر ہر قسم کے بچوں
میں اور خراب ماحول میں کھیلیں، اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہوم ورک
وغیرہ کرنے کے بعد ناول لے کر بیٹھ جائیں؛ بہرحال بنیادی طور پر میرا
خیال ہے کہ کم از کم میرے بچے آپ کے ناولوں کی بدولت کافی حد تک
ٹھیک ہو گئے ہیں — خلوص کیش۔

مسز اسماعیل۔ پلاٹ نمبر ۱۴ بلاک نمبر ۳ بڑے پلاٹ شاہ فیصل
کالونی، کراچی ۲۵

محترم اشتیاق احمد، آداب و سلام۔

جناب محمد اکبر کا خط پڑھا — خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی — خوشی اس
بات کی کہ انہیں ہماری تعلیم کا خیال ہے اور دکھ اس بات کا کہ انہوں نے
آپ کے ناولوں کا مطالعہ کیے بغیر آپ پر بہت سے الزامات لگا دیے۔
میں ان الزامات کے جواب بڑے احترام کے ساتھ انہیں دیتا ہوں۔ پہلی

بات تو تقریباً ہر لڑکا گھر سے ہر ماہ جیب خرچ لیتا ہے۔ نمبر ۲ تقریباً ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی لائبریری قائم ہے۔ جہاں سے بہت کم خرچ کرکے ناول پڑھ سکتا ہے — نمبر ۳، ہر ماہ تقریباً دو ہزار کے قریب انعامات دیے جاتے ہیں —

دوسری بات: ہر کہانی سبق آموز ہوتی ہے۔ ناول کے آخر میں جرم کا انجام لکھا [illegible] ہے۔ سمجھ دار اس جرم سے بچ جاتا ہے۔ تیسری بات: کہانیاں ایسی ہوتی ہیں، جن میں معاشرے میں موجود برائیاں بیان کی جاتی ہیں تاکہ ہم ان سے بچ سکیں — چوتھی بات: ہر ناول کی قیمت چھ روپے ہوتی ہے یعنی دوسروں کے ناولوں سے بہت کم۔ پانچویں بات ناولوں میں جاسوسی کی تاکید نہیں کی جاتی، بلکہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بڑا آدمی بن جائے تو غلط کام نہ شروع کر دے اور لڑکے اتنے بیوقوف بھی نہیں کہ پستول لے کر کھنڈرات میں گھومنا شروع کر دیں — چھٹی بات: بچوں کے پاس کرکٹ کے لیے ہر روز پانچ چھ گھنٹے ہو سکتے ہیں، لیکن ایک ماہ میں پانچ گھنٹے ناولوں کے لیے نہیں — ساتویں بات: آج کل معاشرہ ہی ایسا ہے کہ اگر کسی بچے کو خالص دینی کتاب دے دی جائے تو وہ لگن کے ساتھ مطالعہ نہیں کرے گا، لیکن آپ کے ہر ناول کا تقریباً ½ حصہ اسلامی باتوں سے پر ہوتا ہے۔ امید ہے، میرا خط پڑھ کر ناراض نہیں ہوں گے بلکہ اس پر غور کریں گے۔ فقط:

شہادت علی طاہر — گلی ۱۰ مکان ۱ محلہ اسلام نگر شاہدرہ، لاہور ۳۵